اسلام پر اعتراضات کے جوابات

پیشکش۔آپریشن ارتقاۓ فہم و دانش

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔صف-الآیۃ

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے (چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں

1 سلام پر اعتراضات کے جوابات۔ اعتراض

کیا قرآن میں تضاد ہے؟

قرآن کریم میں ذکر ہوا ہے کہ اللہ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے، ایک دوسری " آیت قرآنی کہتی ہے کہ ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے، تو کیا قرآن اپنی ہی بات کی نفی نہیں " کر رہا؟

قرآن کریم کی سورۃ السجدہ اور سورۃ الحج میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی نظر میں جو دن ہے، وہ ہماری : دانست کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

(٥) يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ

وہی (اللہ) آسمان سے زمین تک (سارے) معاملات کی تدبیر کرتا ہے، پھر ایک دن "
میں، جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے، وہ معاملات اوپر اس
کے پاس جاتے ہیں۔" (سورۃ السجدہ 32 ایت 5)

ایک اور آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ کے نزدیک ایک دن تمہارے پچاس ہزار سال کے برابر ہے،
ارشاد باری تعالی ہے۔ :

(٤) تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ

فرشتے اور روح القدس (جبرائیل) اوپر اس کی طرف چڑھیں گے ایسے دن میں "
جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔" (سورۃ المعارج 70 آیت 4)

ان آیات کا عمومی مطلب یہ ہے کہ اللہ کے وقت کا موازنہ زمینی وقت سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مثالیں زمین کے ایک ہزار سال اور پچاس ہزار سال سے دی گئی ہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ کے نزدیک جو ایک دن ہے وہ زمین کے ہزاروں سال یا اس سے بھی بہت زیادہ عرصے کے برابر ہے۔

" یوم" کے معنی :

ان تینوں آیات میں عربی لفظ "یوم" استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب "ایک دن" کے علاوہ "طویل عرصہ" یا "ایک دور" بھی ہے، اگر آپ یوم کا ترجمہ عرصہ (Period) کریں تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہوگا۔

سورۃ حج میں فرمایا گیا ہے:

(٤٧) وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ

یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں، اللہ ہر گز اپنے وعدے کے خلاف نہ " کرے گا، مگر تیرے رب کے ہاں ایک دن تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار برس کے برابر ہے۔"(سورۃ الحج 22 آیت 47)

جب کافروں نے یہ کہا کہ سزا میں دیر کیوں ہے اور اس کا مرحلہ جلد کیوں نہیں آتا تو قرآن میں ارشاد ہوا کہ اللہ اپنا وعدہ پورا کرنے میں ناکام نہیں رہے گا، تمہاری نظر میں جو عرصہ ایک ہزار سال کو محیط ہے، وہ اللہ کے نزدیک ایک دن ہے۔

50 ہزار اور ایک ہزار سال کی حقیقت :

سورۃ سجدی کی مذکورہ بالا آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تک تمام امور کو پہنچنے میں ہمارے حساب کے مطابق ایک ہزار سال کا عرصہ لگتا ہے،

جبکہ سورۃ المعارج کی آیت 4 کا مفہوم یہ ہے کہ فرشتوں اور رُوح القدس یا ارواح کو اللہ تعالی تک پہنچنے میں پچاس ہزار سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔

حاشیہ :

قرآن کے بیان کئے گئے وقت کا پیمانہ عام انسانوں کے لحاظ سے ہے، فرشتون خاص طور پر حضرت جبریل (علیہ السلام) اور ان کے ساتھ والے فرشتوں کے لیے یہ وقت ایک دن یا اس سے بھی کم ہے جبکہ انسانوں کو اتنا فاصلہ طے کرنے میں ایک ہزار سال لگ سکتے ہیں۔

باقی رہا پچاس ہزار سال کا دن تو فرشتے خصوصاً جبریل (علیہ السلام) زمین سے سدرہ المنتہٰی تک کا فاصلہ ایک دن یا اس سے بھی کم مدت میں طے کر لیتے جبکہ عام انسانی پیمانے سے یہ فاصلہ پچاس ہزار سال میں طے کیا جا سکتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ زمین سے عرش تک جو امور پہنچائے جاتے ہیں وہ ایسے وقت میں پہنچتے ہیں کہ عام لوگوں کو اس میں پچاس ہزار سال لگ جائیں، مفسرین کے ایک قول کے مطابق

قیامت کا دن کفار اور نافرمانوں پر ایک ہزار سال یا پچاس ہزار سال جتنا بھاری ہو گا۔ البتہ مومنوں کے لیے وہ ایک دن یا اس سے کم تکلیف کا باعث ہو گا -

جیسے حدیث میں ہے کہ وقت ظہر سے عصر تک کا ہو گا صرف اس قدر ہو گا جس قدر کوئی نماز میں وقت لگاتا ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھیئے تفسیر فتح البیان، تفسیر (مسند اُحمد: 3/75 وابن حبان: 7334) (الخازن اور تفسیر روح المعانی وغیرہ۔

ضروری نہیں کہ دو مختلف افعال کے انجام پانے کے لیے یکساں مدت درکار ہو، مثال کے طور پر مجھے ایک مقام تک پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگتا ہے جبکہ دوسرے مقام تک سفر کے لیے 50 گھنٹے درکار ہیں تو اس سے یہ ہر گز ثابت نہیں ہوتا کہ میں دو متضاد باتیں کر رہا ہوں۔

یوں قرآن کی آیات نہ صرف ایک دوسرے کے متضاد نہیں بلکہ وہ مسلمہ جدید سائنسی حقائق سے بھی ہم آہنگ ہیں۔

2 اسلام پر اعتراضات کے جوابات۔ اعتراض

تخلیق انسان کس طرح سے ہے؟

" ایک مقام پر قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان کو نطفے (مادہ منویہ) سے پیدا کیا گیا جبکہ ایک دوسرے مقام پر کہا گیا ہے کہ آدمی کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ کیا یہ دونوں آیات باہم متصادم نہیں؟ اپ سائنسی طور پر یہ کیسے ثابت کریں گے کہ آدمی کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے؟ "

قرآن کریم میں بنی نوع انسان کی حقیر ابتدا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اسے مادہ منویہ کے ایک قطرے سے پیدا کیا گیا۔ یہ بات متعدد آیات میں کہی گئی جن میں سورۃ قیامہ کی حسب ذیل آیت بھی شامل ہے:

(۳۷) أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَى

"کیا وہ (ایک حقیر) پانی کا نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے۔ "

(37 آیت 75 سورۃ قیامہ)

قرآن کریم متعدد مقامات پر اس بات کا ذکر بھی کرتا ہے کہ بنی نوع انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ حسب ذیل آیت میں بنی نوع انسان کی تخلیق اور ابتداء کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

(٥) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ

لوگو! اگر تمھیں زندگی بعد موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو (تمھیں معلوم ہونا چاہیئے " کہ) بے شک ہم نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا۔

(5 آیت 22 سورۃ الحج)

موجودہ دور میں ہمیں معلوم ہے کہ جسمِ انسانی کے کے عناصر، جن سے مل کر انسانی جسم وجود میں آیا ہے، سب کے سب کم یا زیادہ مقدار میں مٹی میں شامل ہیں، سو یہ اس آیتِ قرآن کی سائنسی توجیہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔

قرآن کی بعض آیات میں اگر یہ فرمایا گیا ہے کہ آدمی نطفے سے پیدا کیا گیا جبکہ بعض اور آیات میں کہا گیا ہے کہ اسے مٹی سے پیدا کیا گیا، تو ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ تضاد سے مراد تو ایسے بیانات ہیں، جو باہم مختلف ہوں یا متصادم ہوں اور بیک وقت صحیح نہ ہوں۔

: پانی سے انسان کی تخلیق

بعض مقامات پر قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے کہ انسان کو پانی سے پیدا کیا گیا۔ مثال کے طور پر سورۃ الفرقان میں کہا گیا :

(٥٤) وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا

اور وہی (اللہ) ہے جس نے آدمی کو پانی سے پیدا کیا۔ "

(54 آیت 25 سورۃ الفرقان)

فرض کیجئے میں یہ کہتا ہوں کہ چائے کا کپ تیار کرنے کے لیے پانی درکار ہے لیکن اس کے لیے چائے کی پتی اور دودھ یا ملک پاؤڈر بھی درکار ہوتا ہے۔ یہ دونوں بیانات متضاد نہیں کیونکہ پانی اور چائے کی پتی دونوں ہی چائے کی پیالی تیار کرنے کے لیئے ضروری ہیں، مزید برآں اگر میں میٹھی چائے بنانا چاہوں تو اس میں چینی بھی ڈال سکتا ہوں، لہذا قرآن جب یہ کہتا ہے کہ انسان کو نطفے، مٹی اور پانی سے تخلیق کیا گیا تو اس میں کوئی تضاد نہیں بلکہ تینوں میں امتیاز قائم کیا گیا ہے۔
(Contradistinction) چیزوں میں امتیاز کا مطلب ایک ہی موضوع کے ایسے دو تصورات کے بارے میں بات کرنا جو باہم متصادم نہ ہوں، مثال کے طور پر اگر میں یہ کہوں کہ انسان ہمیشہ سچ بولتا ہے اور عادتاً جھوٹا ہے تو یہ ایک متضاد بات ہو گی لیکن اگر میں یہ کہوں کہ انسان ہمیشہ سچ بولتا ہے اور عادتاً جھوٹا ہے تو یہ ایک متضاد بات ہو گی لیکن اگر میں یہ کہوں کہ یہ آدمی دیانت دار، مہربان اور محبت کرنے والا ہے تو یہ اس کی مختلف صفات میں امتیاز ظاہر کرنے والا ایک بیان ہو گا۔

3 اسلام پر اعتراضات کے جوابات۔ اعتراض

افلاک وارض کی تخلیق چھ یا آٹھ روز میں ؟

قرآن کئی مقامات پر یہ بیان کرتا ہے کہ زمین وآسمان چھ دنوں میں پیدا کئے گئے، لیکن "
دنوں میں بنائے گئے، کیا یہ 8 سورۃ فُصِلت (حم السجدہ) میں کہا گیا کہ زمین وآسمان
دنوں میں پیدا کی گئی اور پھر 6 ایک تضاد نہیں؟ اسی آیت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین
"دنوں میں پیدا کیئے گئے، 2 اس کے بعد آسمان

دنوں، یعنی چھ ادوار میں 6 مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ قرآن کے مطابق آسمان اور زمین
:پیدا کئے گئے۔ اس کا ذکر حسب ذیل سورتوں میں آیا ہے

54 ☆سورۃ اعراف کی آیت

3 ☆سورۃ یونس کی آیت

7 ☆سورۃ ہود کی آیت

59 سورۃ فرقان کی آیت

4 ☆سورۃ سجدی کی آیت

38 ☆سورۃ ق کی آیت

4 ☆سورۃ حدید کی آیت

وہ آیاتِ قرآنی جو آپ کے خیال میں یہ کہتی ہیں کہ آسمان وزمین آٹھ دنوں میں پیدا کیے
: ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ 12 تا 9 :ویں سورۃ فُصِلت (حم السجدۃ) کی آیاات 41 گئے، وہ

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا (٩) قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ
وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ (١٠) ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا

أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (١١) فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (١٢)

" اے نبی!) ان سے کہیئے: کیا تم واقعی اس ذات سے انکار کرتے ہو اور دوسروں کو اس کے) شریک ٹھہراتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا؟ وہ تو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اس نے اس (زمین) میں اس کے اوپر پہاڑ جما دیئے، اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور اس میں غذاؤں کا (ٹھیک) اندازہ رکھا۔ یہ (کام) چار دنوں میں ہوا، پوچھنے والوں کے لیے ٹھیک (جواب) ہے، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا، اس نے اس (آسمان) سے اور زمین سے کہا: وجود میں آجاؤ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو، دونوں نے کہا: ہم آ گئے، فرمانبردار ہو کر۔ تب اس نے دونوں کے اندر انہیں سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اس کا کام الہام کر دیا۔ اور آسمانِ دنیا کو ہم نے چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا اور اسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ سب ایک بہت زبردست، خوب جاننے والے کی تدبیر ہے۔ "

(سورۃ فُصِلت (حم السجدۃ) 41 آیات 9 تا 12)

قرآن کریم کی ان آیات سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ آسمان اور زمین 8 دنوں میں پیدا کیے گئے۔

اللہ تعالی اس آیت کے شروع ہی میں فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو عبارت کے اس ٹکڑے میں موجود معلومات کو اس کی صداقت کے بارے میں شبہات پیدا کرنے کے لیے غلط طور پر استعمال کرتے ہیں، در حقیقت وہ کفر پھیلانے میں دلچسپی رکھتے اور اس کی توحید کے منکر ہیں۔ اللہ تعالی اس کے ساتھ ہی ہمیں بتا رہا ہے کہ بعض کفار ایسے بھی ہوں گے جو اس ظاہری تضاد کو غلط طور پر استعمال کریں گے۔

" ثُم" سے مراد "مزید برآں "

اگر آپ توجہ اور احتیاط کے ساتھ ان آیات کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں زمین اور آسمان کی دو مختلف تخلیقات کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہاڑوں کو چھوڑ کر زمین دو دنوں دنوں میں پہاڑوں کو زمین پر مضبوطی سے کھڑا کیا گیا اور زمین 4 میں پیدا کی گئی۔ اور میں برکتیں رکھ دی گئیں اور نیچے تلے انداز کے مطابق اس میں رزق مہیا کر دیا گیا۔ لہذا :دنوں میں پیدا کی گئی، آیات 6 کے مطابق پہاڑوں سمیت زمین 10 اور 9 :آیات کہتی ہیں کہ مزید برآں دو دنوں میں آسمان پیدا کئے گئے، گیارھویں آیت کے آغاز میں 12 اور 11 عربی کا لفظ "ثم" اِستعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب پھر یا مزید برآں ہے، قران کریم کے بعض تراجم میں "ثُم" کا مطلب پھر لکھا گیا ہے۔ اور اس سے بعد ازاں مراد لیا گیا ہے۔ اگر "ثُم" کا ترجمہ غلط طور پر "پھر" کیا جائے تو آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے کل ایام آٹھ قرار پائیں گے اور یہ بات دوسری قرآنی آیات سے متصادم ہو گی جو یہ بتاتی ہے کہ آسمان وزمین چھ دنوں میں پیدا کیئے گئے، علاوہ ازیں اس صورت میں یہ آیت قرآن کریم کی سورۃ الانبیاء کی ویں آیات سے بھی متصادم ہو گی جو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ زمین و آسمان بیک وقت پیدا کیئے 30 گئے تھے۔

لہذا اس آیت میں لفظ "ثم" کا صحیح ترجمہ "مزید برآں" یا "اس کے ساتھ ساتھ" ہو گا۔

کیا " (Moeover) علامہ عبداللہ یوسف علی نے صحیح طور پر "ثمَّ" کا ترجمہ "مزید برآں ہے جس سے واضح طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب پہاڑوں وغیرہ سمیت چھ دنوں میں زمین پیدا کی گئی تو بیک وقت اس کے ساتھ ہی دو دنوں میں آسمانن بھی پیدا کیئے گئے تھے، چنانچہ کل ایام تخلیق آٹھ نہیں چھ ہیں۔

6 منزلہ عمارت اور اس کے گرد چار دیواری 10 فرض کیجیئے ایک معمار کہتا ہے کہ وہ ماہ میں تعمیر کر دے گا اور اس منصوبے کی تکمیل کے بعد وہ اس کی مزید تفصیل بیان کرتے ماہ میں تعمیر کیا گیا اور دس منزلوں کی تعمیر 2 ہوئے کہتا ہے کہ عمارت کا تہ خانہ مہینے لیے اور جب بلڈنگ اور تہ خانہ بیک وقت تعمیر کیئے جا رہے تھے تو اس نے ان 4 نے کے ساتھ ساتھ عمارت کی چار دیواری کی بھی تعمیر کر دی جس میں دو ماہ لگے۔ اس میں پہلا اور دوسرا بیان باہم متصادم نہیں لیکن دوسرے بیان سے تعمیر کا تفصیلی حال معلوم ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ اس مثال میں سرت من البصرۃ الی بغداد و سرت الی الکوفۃ فی خمسۃ عشر یوماً کہ میں نے بصرہ سے بغداد تک کی منزل کو دس روز میں تمام کیا اور کوفہ تک پندرہ دن میں تمام کیا، چونکہ متصل ایک ہی قسم کا سفر تھا اس لیے مجموعی مدت لگائی گئی زبان نہ جاننے سے ایسے شبہات پیدا ہوتے ہیں.

4 اسلام پر اعتراضات کے جوابات ۔اعتراض

کیا مشرق و مغرب دو دو ہیں؟؟

" قرآن مجید کی ایک آیت میں یہ کہا گیا کہ اللہ دو مشرقوں اور مغربوں کا آقا و مالک ہے۔آپ کے نزدیک اس آیتِ قرآنی کی سائنسی تعبیر کیا ہے؟ "

قرآن کہتا ہے کہ اللہ دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب ہے، قرآن کریم کی وہ آیت جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے :

(رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ(١٧

" وہی)مشرقین(دو مشرق)اور مغربین(دو مغرب)کا رب ہے۔)"

(17 آیت 55 سورۃالرحمن)

عربی متن میں مشرق و مغرب کے الفاظ تشنیہ کی شکل میں استعمال کیٔ گئے ہیں۔ان سے مراد یہ ہے کہ اللہ دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب ہے۔

: مشرق و مغرب کی انتہا

جغرافیے کی سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور لیکن اس کے 23 مارچ اور 21 طلوع ہونے کا مقام سارا سال تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ سال میں دو دن، کے نام سے معروف ہیں، ایسے ہیں جب سورج عین (Equinox) ستمبر، جو اعتدال ربیعی و خریفی مشرق سے طلوع ہوتا ہے، یعنی خط استوا پر سفر کرتا ہے، باقی تمام دنوں میں عین مشرق سے قدرے شامل یا قدرے جنوب کی طرف ہٹ کر طلوع ہوتا ہے۔ موسم گرما کے دوران میں جون کو سورج مشرق کی ایک انتہا سے نکلتا ہے (خط سرطان پر سفر کرتا ہے) تو موسم سرما 22 دسمبر کو سورج مشرق کی دوسری انتہا سے نکلتا ہے۔ (خط جدی پر 22 میں بھی ایک خاص دن، یعنی سفر کرتا ہے)۔ اس طرح سورج موسم گرما میں (22 جون) اور موسم سرما میں (22 دسمبر) کو مغرب میں دو مختلف انتہاؤں پر غروب ہوتا ہے۔

:حاشیہ

زمین خط استوا کا عرض بلد صفر ہے جو زمین کو دو برابر نس کروں میں تقسیم کرتا ہے۔ خط درجے شمالی ہے اور خط استوا کے 23.5 استوا کے شمال میںٰ خط سرطان کا عرض بلد درجے جنوبی ہے، سورج بظاہر انہی دو عرض بلاد کے 23.5 جنوب میں خط جدی کا عرض بلد درمیان نظر آتا ہے، تاہم حقیقت یہ ہے کہ زمین کی محوری گردش (لٹو کی طرح مغرب سے مشرق کو گھومنے) کے دوران میں سال کے مختلف اوقات میں اس مختلف مقامات ستمبر کو سورج خط استوا 23 مارچ اور 21 سورج کے براہ راست سامنے آتے ہیں۔ سال میں دو بار جون کو سورج کی شعاعیں 22 پر غمودا چمکتا ہے (بظاہر خط استوا پر سفر کرتا نظر آتا ہے) جبکہ دسمبر کو سورج خط جدی پر غمودا چمکتا ہے (محسن 22 خط سرطان پر غمودا پڑتی ہیں اور فارانی))۔ فطرت کا یہ مظاہرہ کسی بھی شہر میں رہنے والے لوگ بآسانی دیکھ سکتے ہیں یا کسی بلند و بالا عمارت سے سورج کے اس طلوع و غروب کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ نظارہ جون کو مشرق کی ایک انتہا سے نکلتا ہے تو 22 کرنے والے لوگ دیکھیں گے کہ سورج گرمیوں میں دسمبر کو ایک دوسری انتہا سے، مختصر یہ کہ سارا سال سورج مشرق کے 22 سردوں میں مختلف مقامات سے نکلتا ہے اور مغرب کے مختلف مقامات پر غروب ہوتا رہتا ہے۔

لہذا جب قرآن اللہ کا ذکر دو مشرقوں اور دو مغربوں کے رب کے طور پر کرتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی مشرق و مغرب دوں کی دونوں انتہاؤں کا رب اور مالک ہے۔

: تمام نقاط و مقامات کا مالک اللہ ہے

اللہ تعالی مشرق و مغرب کے تمام نقاط و مقامات کا مالک ہے، عربی میں جمع کے صیغے کی دو اقسام ہیں۔ایک جمع تثنیہ ہے، یعنی دو کی جمع اور دوسری قسم وہ ہے جس میں دو سے زیادہ کی جمع مراد ہوتی
ویں آیت میں مشرقین اور مغربین کے الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں جن کا 17 ہے۔سورۃ رحمن کی صیغہ جمع تثنیہ ہے اور ان سے مراد دو مشرق اور مغرب ہیں۔قرآن کریم کی حسب ذیل آیت دیکھیئے۔

(٤٠) فَلاَ أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ

" پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی "

(40 آیت 70 سورۃ المعارج)

اس میں مشرق اور مغرب کی جمع کے لیئے مشارق اور مغارب کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو کہ جمع کے صیغے ہیں اور دو سے زیادہ کی تعداد کو ظاہر کرتے ہیں۔اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ذکر مشرق اور مغرب کے تمام مقامات کا مالک ہونے کے علاوہ مشرق و مغرب کے دو انتہائی مقامات کے رب اور
مالک کے طور پر بھی کیا گیا ہے۔

5 اعتراضات کے جوابات۔اعتراض

ابلیس: فرشتہ یا جن؟

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر آدم و ابلیس کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ "

سورۃ بقرہ میں اللہ تعالی فرماتا ہے:

(٣٤) وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

"ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، سو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ "

(34 آیت 2 سورۃ البقرہ)

اس بات کا تذکرہ حسب ذیل آیات میں بھی کیا گیا ہے:

11 :☆سورۃ اعراف کی آیت

28-31 :☆سورۃ حجر کی آیات

61 :☆سورۃ بنی اسرائیل کی آیت

116 :☆سورۃ طہ کی آیت

71-74 :☆سورۃ ص کی آیت

لیکن 18 کی آیت سورۃ الکہف ویں 50 کہتی ہے :

(٥٠) وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ جنوں "
"میں سے تھا، پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

(سورۃ الکھف 18 آیت 50)

تغلیب کا کلیہ :

سورۃ البقرہ کی مذکورہ بالا آیت کے پہلے حصے سے ہمیں یہ تاثر ملتا ہے کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا، قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا۔ عربی گرامر میں ایک کلیہ تغلیب کے نام سے معروف ہے جس کے مطابق اگر اکثریت سے خطاب کیا جا رہا ہو تو اقلیت بھی خود بخود اس میں شامل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر میں 100 طالب علموں پر مشتمل ایک ایسی کلاس سے خطاب کر رہا ہوں جس میں لڑکوں کی تعداد 99 ہے اور لڑکی صرف ایک ہے، اور میں عربی زبان میں یہ کہتا ہوں کہ سب لڑکے کھڑے ہو جائیں تو اس کا اطلاق لڑکی پر بھی ہو گا۔ مجھے الگ طور پر اس سے مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں ہو گی۔

اسی طرح قرآن مجید کے مطابق جب اللہ تعالی نے فرشتوں سے خطاب کیا تو ابلیس بھی وہاں موجود تھا، تاہم اس امر کی ضرورت نہیں تھی کہ اس کا ذکر الگ سے کیا جاتا، لہذا سورۃ بقرہ کی 50 ویں سورۃ الکھف کی 18 اور دیگر سورتوں کی عبارت کے مطابق ابلیس فرشتہ ہو یا نہ ہو لیکن ویں آیت کے مطابق ابلیس ایک جن تھا۔ قرآن کریم میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا، سو قرآن کریم میں اس حوالے سے کوئی تضاد نہیں۔

ارادہ و اختیار جنوں کو ملا، فرشتوں کو نہیں :

اس سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ جنوں کو ارادہ و اختیار گیا دیا ہے اور وہ چاہیں و اطاعت سے انکار بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن فرشتوں کو ارادہ و اختیار نہیں دیا گیا۔ اور وہ ہمیشہ اللہ کی اطاعت بجا لاتے ہیں، لہذا اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی فرشتہ اللہ کی نافرمای بھی کر سکتا ہے۔

اس حقیقت سے اس بات کی مزید تائید ہوتی ہے کہ ابلیس

.ایک جن تھا، فرشتہ نہیں تھا

6 اعتراضات کے جوابات۔ اعتراض

کیا اسلام تشدد اور خونریزی کی دعوت دیتا ہے؟

کیا اسلام تشدد، اور خونریزی کی اور بہیمت کو فروغ دیتا ہے۔ اس لیئے قرآن کہتا ہے مسلمانوں کو "
"چاہیئے کہ وہ جہاں کہیں کفار کو پائیں انہیں قتل کر دیں؟

قرآن کریم سے بعض مخصوص آیات کا غلط طور پر اس لیے حوالہ دیا جاتا ہے کہ اس غلط تصور کو قائم رکھا جا سکے کہ اسلام تشدد کی حمایت کرتا ہے اور اپنے پیرو کاروں پر زور دیتا ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے باہر رہنے والوں کو قتل کر دیں۔

: آیت جس کا غلط حوالہ دیا جاتا ہے

سورۃ توبہ کی مندرجہ ذیل آیت کا اسلام کے ناقدین اکثر حوالہ دیتے ہیں تا کہ یہ ظاہر کیا جا سکے کہ اسلام تشدد، خون ریزی اور وحشت کو فروغ دیتا ہے۔

(۵) فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

"تم مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ، انہیں قتل کر دو۔ "

(5 آیت 9 سورۃ التوبہ)

: آیت کا سیاق و سباق

درحقیقت ناقدینِ اسلام اس ایت کا حوالہ سیاق و سباق سے ہٹ کر دیتے ہیں۔ آیت کے سیاق و سباق کو سمجھنے کے لیئے ضروری ہے کہ اس سورت کا مطالعہ آیت نمبر 1 سے شروع کیا جائے۔ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جو معاہداتِ امن ہوئے تھے، ان سے براءت کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اس براءت (معاہدات کی منسوخی) سے عرب میں شرک اور مشرکین کا وجود عملاً خلاف قانون ہو گیا کیونکہ ملک کا غالب حصہ اسلام کے زیر حکم آ چکا تھا۔ ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا کہ یا تو لڑنے پر تیار ہو جائیں یا ملک چھوڑ کر نکل جائیں یا پھر اپنے آپ کو اسلامی حکومت کے نظم و ضبط میں دے دیں۔ مشرکین کو اپنا رویہ بدلنے کے لیے چار ماہ کا وقت دیا گیا۔ ارشاد الٰہی ہوا :

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (٥)

پس جب حرمت (دی گئی مہلت) والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کر دو اور ان کو پکڑ لو اور گھیر و اور ہر گھات میں ان کی تاک میں بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکواۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ "

(سورۃ التوبہ 9 ایت 5)

عہد نو کی ایک مثال :

ہم سب جانتے ہیں کہ ایک وقت تھا امریکہ ویت نام پر برسرِ پیکار تھا۔ فرض کیجیئے کہ صدر امریکہ یا امریکی جرنیل نے جنگ کے دوران میں امریکی سپاہیوں سے کہا: جہاں کہیں ویت نامیوں کو پاؤ انہں ہلاک کر دو۔ اس کا حوالہ دیتے ہوئے اگر آج میں سیاق و سباق سے ہٹ کر یہ کہوں کہ امریکی صدر یا جرنیل نے کہا تھا کہ جہاں کہیں ویت نامیوں کو پاؤ انہیں قتل کر دو، تو یوں معلوم ہو گا کہ میں کسی قصائی کا ذکر کر رہا ہوں۔ لیکن اگر میں اس کی یہی بات صحیح سیاق و سباق میں بیان کروں تو یہ بالکل منطقی معلوم ہو گی کیونکہ وہ دراصل جنگ کے حالات میں اپنی سپاہ کا حوصلہ

پڑھانے کے لیئے ایک ہنگامی حکم دے رہا تھا کہ دشمن کو جہاں کہیں پاؤ ختم کر دو، حالت جنگ ہونے کے بعد یہ حکم ساقط ہو گیا۔

: حالتِ جنگ کا حکم

میں ارشاد ہوا کہ "تم مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ انہیں قتل 5 اسی طرح سورۃ توبہ کی آیت نمبر کر دو۔" یہ حکم جنگ کے حالات میں نازل ہوا اور اس کا مقصد مسلم سپاہ کا حوصلہ بڑھانا تھا، قرآن کریم در حقیقت مسلمان سپاہیوں کو تلقین کر رہا ہے کہ وہ خوفزدہ نہ ہوں اور جہاں کہیں دشمنوں سے سامنا ہو انہیں قتل کر دیں۔

: ارون شوری کی فریب کاری

ارون شوری، بھارت میں اسلام کے شدید ناقدوں میں سے ہے۔ اس نے بھی اپنی کتاب " کاحوالہ 5 کاحوالہ دیا ہے۔ آیت نمبر 5 پر سورۃ توبہ کی آیت نمبر 572 فتاوٰی کی دنیا" کے صفحہ دینے کے بعد وہ دفعتاً ساتویں آیت پر آجاتا ہے، یہاں ہر معقول آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے سے گریز کیا ہے۔ 6 جان بوجھ کر آیت نمبر

: قرآن سے جواب

اس الزام کا شافی جواب دیتی ہے کہ اسلام (نعوذ باللہ) تشدد، بہیمت اور 6 سورۃ توبہ کی آیت نمبر
:خونریزی کو فروغ دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

(٦) وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ

اے نبی!) اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیجیئے تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے،) " پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجیئے، یہ (رعایت) اس لیئے ہے کہ بے شک وہ لوگ " علم نہیں رکھتے۔
(6 آیت 9 سورۃالتوبہ)

قرآن کریم نہ صرف یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی مشرک حالات جنگ میں پانہ طلب کرے تو اسے پناہ دی جائے بلکہ یہ حکم دیتا ہے کہ اسے محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے، ہو سکتا ہے کہ موجود بین الاقوامی منظر نامے میں ایک رحم دل اور امن پسند جرنیل جنگ کے دوران میں دشمن کے سپاہیوں کو امن طلب کرنے پر آزادانہ جانے دے لیکن کون ایسا فوجی جرنیل ہو گا جو اپنے سپاہیوں سے یہ کہ سکے کہ اگر دوران جنگ دشمن کے سپاہی امن کے طلب گار ہوں تو انہیں نہ صرف یہ کہ رہا کر دو بلکہ محفوظ مقام پر پہنچا بھی دو؟

7 اعتراضات کے جوابات۔اعتراض

کیا قرآنی احکامِ وراثت میں ریاضی کی غلطی ہے؟

ہندو دانشور ارون شوری نے دعوٰی کیا ہے کہ قرآن کریم میں ریاضی کی ایک غلطی پائی جاتی ہے۔وہ " میں وارثوں کو دی جانے والی وراثت کے حصوں 12 اور 11 کہتا ہے کہ سورۃ النساء کی آیات نمبر کو جمع کیا جائے تو کل عدد ایک سے زیادہ بن جاتا ہے۔ لہذا (نعوذ باللہ) قرآن کا مصنف ریاضی نہیں "جانتا۔

: وراثت کے مسائل قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیئے گئے ہیں

180 آیت 2 ☆سورۃ البقرہ

240 آیت 2 ☆سورۃ البقرہ

9 تا 7 آیت 4 ☆سورۃ النساء

33 اور 19 آیات 4 ☆سورۃ النساء

سورۃ المائدہ ☆ آیات 105 اور 108

سورۃ النساء کی آیات نمبر 11، 12 اور 176 میں واضح لیکن وراثت کے حصوں کے بارے میں احکام ہیں۔

آیئے سورۃ النساء کی آیات نمبر 11 اور 12 کا جائزہ لیں جس کا حوالہ ارون شوری نے دیا ہے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (١١) وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ (١٢)

" تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے، پھر اگر (دو یا) دو سے زیادہ عورتیں ہوں تو انہیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے، اور اگر ایک ہی بیٹی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیئے اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے اور اگر میت کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حقدار ہو گی۔ (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہو گی۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ دادا اور تمہاری اولاد میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کیئے ہیں اور بے شک اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔ اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو، اگر وہ بے اولاد ہوں تو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا، ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ان کے ترکے کا چوتھا حصہ تمہارا ہے۔ (یہ تقسیم) ان کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہو گی۔ اور گر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکے میں تمہاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے، پھر اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکے میں ان کا آٹھواں حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) تمہاری وصیت پر

عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہو گی۔ اور اگر وہ آدمی جس کا ورثہ تقسیم کیا جا رہا ہو۔ اس کا بیٹا نہ ہو باپ، یا ایسی عورت ہو اور اس کا ایک بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، پھر اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی حصے میں (برابر) شریک ہوں گے۔ (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہو گی (جبکہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے تاکید ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، بڑے حوصلے والا ہے۔ "

(سورۃ النساء 4 آیات 11 اور12)

: اسلام کا قانون وراثت

اسلام نے قانونِ وراثت کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ قرآن میں ایک جامع اور بنیادی خاکہ دیا گیا ہے۔ جبکہ اس کی تفصیل اور جزئیات نبی کریم (ﷺ) کی احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ قانون اتنا جامع اور مفصل ہے کہ اگر کوئی شخص حصہ داروں کی مختلف ترتیب و ترکیب کے ساتھ اس پر عبور حاصل کرنا چاہے تو اسے اس کے لیے ساری عمر وقت کرنی پڑے گی۔ ادھر ارون شوری ہے جو قرآن کی دو آیات کے سرسری اور سطحی مطالعے سے اور شرعی معیارات سے واقفیت حاصل کیے بغیر ہی اس قانون کو جاننے کی توقع رکھتا ہے۔

اس کی حالت اس شخص جیسی ہے جو الجبرے کی ایک مساوات حل کرنے کا خواہاں ہے، بھی نہیں جانتا جن کے مطابق قطع نظر اس (Bodmas) حالانکہ وہ ریاضی کے بنیادی قواعد حل کرنا ہو گا، یعنی Bodmas بات سے کہ ریاضی کی کون سی علامت پہلے آئی ہے، پہلے آپ کو پہلے بریکٹیں حل کرنی ہوں گی۔ دوسرے مرحلے پر تقسیم کا عمل کرنا ہو گا، تیسرے پر ضرب کا عمل، چوتھے پر جمع کا عمل اور پانچویں مرحلے پر تفریق کا عمل انجام دینا ہو گا۔ اگر ارون شوری ریاضی سے نابلد ہے اور وہ مساوات کے حل کا عمل ضرب سے شروع کرتا ہے۔ پھر تفریق کا عمل کرتا ہے اس کے بعد بریکٹوں کو دور کرنے کا عمل انجام دیتا ہے، پھر تقسیم کی طرف آتا ہے اور آخر میں جمع کا عمل بروئے کار لاتا ہے تو یقیناً اس کا جواب غلط ہی ہو گا۔

میں قانون وراثت بیان کرتا ہے تو 12 اور 11 اسی طرح جب قرآن مجید سورۃ النساء کی آیات اگرچہ سب سے پہلے اولاد کے حصے کا ذکی گیا ہے اور اس کے بعد والدین اور میں یا بیوی کے حصے بیان ہوئے ہیں لیکن اسلامی قانون وراثت کے مطابق سب سے پہلے قرض اور واجبات ادا کیے جاتے ہیں اس کے بعد والدین اور میاں یا بیوی کا حصہ ادا کیا جاتا ہے جو اس امر پر منحصر ہے کہ مرنے والے نے اپنے پیچھے بچے بھی چھوڑے ہیں یا نہیں، اس کے بعد بچنے والی جائداد بیٹوں اور بیٹیوں میں مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کی جاتی ہے۔ لہذا کل حصص کے مجموعے کا ایک سے بڑھ جانے کا سوال کہاں پیدا ہوا؟

حاشیہ :

قانون وراثت کے عام مسائل تو سیدھے ہیں ان میں جتنے حصص ہوں وہ مخرج کے حساب سے ورثاء پر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ورثاء کے حصص مخرج سے بڑھ جاتے ہیں۔ اس میں مناسب عدد کا اضافہ کر کے مخرف کو حصص کے برابر کر لیا جاتا ہے۔
اصطلاح ہیں اسے "عَول" کہتے ہیں۔ اس سے یہ فرق پڑتا ہے کہ ورثاء کا حصہ کچھ کم ہو جاتا ہے۔ عول کا سب سے پہلے فتوٰی حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالی عنہ) نے دیا۔ اکثر صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین) نے اسے قبول کیا سوائے چند ایک کے۔

ان میں حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالی عنہ) بھی ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے:

مرنے والی خاتون اپنے پیچھے، خاوند اور دو سگی بہنیں وارث کے طور پر چھوڑ جاتیہے۔ خاوند کا ہے۔ یہاں اصل مسئلہ (ذو 2/3 حصہ نصف ½ ہے اور دو سگی بہنوں کا حصہ دو تہائی تہائی (چار 2 ماہ۔ خاوند کو نصف (تین حصے) ملے گا اور بہنوں کے لیے 6 (اضعاف اقل حصے) ہے۔ اب اس مسئلے میں "عول" آگی، یعنی مخرج تنگ ہو گیا جس کی بنا پر حصص بڑھا ہو گئے۔ اس طرح چند صورتیں اور بھی ہیں جن میں عَول آتا ہے۔ اور 7 تھے اب 6 دیئے، پہلے یہ عَول کا آنا ریاضی کے قانون سے ناواقفیت کی بنا پر نہیں بلکہ یہ ایک تقدیری مسئلہ ہے۔ کہ مؤرث کی موت کے وقت کون سا وارث زندہ ہے۔ ان میں سے جو زیادہ حق دار ہے اسی کو وراثت میں حصہ

ملے گا۔ بوض دفعہ مخج کے مطابق نکالے ہوئے حصص بچ جاتے ہیں وہ اصحاب الروض میں سوائے زوجین کے، تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔

تفصیل کے لیے دیکھیئے تفہیم الواریث از استاد فاروق اصغر صارم)۔)

سو یہ اللہ نہیں جو ریاضی نہیں جانتا بلکہ خود اروں شوری ریاضی کے علم سے بے بہرا اور ناواقف ہے۔

8. اعتراضات کے جوابات۔ اعتراض

کفار کے دلون پر مہر لگنے کے بعد وہ قصوروار کیوں؟

اگر اللہ نے کافروں، یعنی غیر مسلموں کے دلوں پر مہر لگادی ہے تو پھر انہیں اسلام قبول نہ " کرنے کا قصوروار کیسے ٹہرایا جا سکتا ہے؟

:میں فرماتا ہے 7 اور 6 اللہ تعالی سورہ بقرہ کی آیت نمبر

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَ عَلٰی سَمۡعِہِمۡ ؕ وَ عَلٰۤی اَبۡصَارِہِمۡ غِشَاوَۃٌ ۫ وَّ لَہُمۡ (٦) اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ (٧)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے یکساں ہے، خواہ آپ انہیں خبردار کریں یا نہ " کیں، بہر حال وہ ایمان لانے والے نہیں، اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگادی " ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

(7 تا 6 آیات 2 سورۃ البقرہ)

یہ آیات عام کفار کی طرف اشارہ نہیں کرتیں جو ایمان نہیں لائے۔ قرآن کریم میں ان کے لیئے (اِنَّ الذِیۡنَ کَفَرُوا) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، یعنی وہ لوگ جو حق کو رد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ نبیٔ کریم (ﷺ) سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ کہ

" تم خبردار کرو یا نہ کرو، یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ اللہ عالی نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے، اس لیے وہ سمجھتے ہیں نہ ایمان لاتے ہیں، بلکہ معاملہ بر عکس ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ کفار بہر صورت حق کو مسترد کرنے پر تلے بیٹھے ہیں اور آپ انہیں تنبیہ کریں یا نہ کریں، وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ اسی لیے ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی ہے اور آنکھوں پر پردہ ہے۔ لہذا اس کا ذمہ دار اللہ نہیں بلکہ کفار خود ہیں۔

حاشیہ:

اللہ تعالیٰ کی طرف گمراہ کرنے یا کی نسبت اس لیے درست نہیں کہ اللہ تعالی نے انبیاء و رسل بھیج کر اور آسمانوں سے کتابیں نازل فرما کر انسانوں کے لیے راہِ حق واضح کر دی۔ اب جنہوں نے حق قبول کیا وہ ہدایت یافتہ اور کامیاب ٹھہرے اور جنہوں نے حق سے منہ موڑا اور انبیاء و رسل کو ستایا، اللہ نے انہیں گمراہی میں پڑا رہنے دیا اور حق کی توفیق نہ دی۔

ایک مثال سے وضاحت :

فرض کیجیئے ایک تجربہ کار استاد آخری (فائنل) امتحانات سے قبل یہ پیشگوئی کرتا ہے کہ فلاں طالب علم امتحان میں فیل ہو جائے گا، اس لیے کہ وہ بہت شریر ہے، سبق پر توجہ نہیں دیتا اور اپنے ہوم ورک بھی کر کے نہیں لاتا۔ اب اگر وہ امتحان میں ناکام رہتا ہے تو اس کا قصوروار کسے ٹھہرایا جائے گا۔ استاد کو یا طالب علم کو؟ استاد کو صرف اس وجہ سے کہ استاد نے پیشگوئی کر دی تھی۔ اس لیے اسے طالب علم کی ناکامی کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالی کو یہ بھی پیشگی علم ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے حق کو ٹھکرانے کا تہیہ کر رکھا ہے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ نے مہر لگادی تھی اس لئے انہوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے قرآن کے پیش کردہ راستہ کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کر لیا تو اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی۔ اس سلسلے میں یہ بات جان لینی چاہئے کہ اللہ نے انسان کو نیکی و بدی کا امتیاز بخشا ہے اور ساتھ ہی اس کو اختیار دیا ہے کہ چاہے وہ نیکی کا راستہ اختیار کرے چاہے بدی کا۔ اگر وہ نیکی اور بھلائی کی راہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو نیکی کی راہ میں ترقی کی توفیق ملتی ہے اور اگر وہ بدی کے راستے پر چل پڑتا ہے تو پھر آہستہ آہستہ اس کا دل برائی کا رنگ پکڑنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ یہ رنگ اس پر اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ پھر اس کے اندر نیکی کی رمق باقی ہی نہیں رہتی۔ یہی مقام ہے جہاں پہنچ کر اللہ کے قانون کے تحت آدمی کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ اور کیونکہ مہر لگانے کا قانون اللہ ہی کا بنایا ہوا ہے اس لئے اس قانون کے تحت مہر لگنے کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے

مہر کیسے کافروں کو لگتی ہے؟

اللہ تعالیٰ مہر صرف ان کافروں کے دلوں پر لگاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو خوب سمجھ لینے کے بعد محض اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے ٹھکرا دیتے ہیں۔ جیسے ایک مقام پر فرمایا:
(14:النمل-27 (14 آیت (وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ
اور ان لوگوں نے ہٹ دھرمی اور تکبر کی بنا پر (ان حقائق کا) انکار کر دیا جن پر ان کے دل یقین کر چکے تھے

پھر کیا تم نے کبھی اُس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اُسے گمراہی میں پھینک دیا اور اُس کے دل اور کانوں پر مہر لگادی اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا؟ اللہ کے بعد اب اور کون ہے جو اُسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے؟
سورۃ الجاثیۃ

اور کیا اُن لوگوں کو جو سابق اہل زمین کے بعد زمین کے وارث ہوتے ہیں، اِس امر واقعی نے کچھ سبق نہیں دیا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے قصوروں پر انہیں پکڑ سکتے ہیں؟ (مگر وہ سبق آموز حقائق سے تغافل برتتے ہیں) اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، پھر وہ کچھ نہیں سنتے

سورۃ الأعراف

یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں نے ایمان لا کر پھر کفر کیا اس لیے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، اب یہ کچھ نہیں سمجھتے
سورۃ المنافقون

اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جائے اور وہ اُن سے منہ پھیرے اور اُس برے انجام کو بھول جائے جس کا سروسامان اس نے اپنے لیے خود اپنے ہاتھوں کیا ہے؟ (جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی ہے) ان کے دلوں پر ہم نے
غلاف چڑھا دیے ہیں جو انہیں قرآن کی بات نہیں سمجھنے دیتے، اور اُن کے کانوں میں ہم نے گرانی پیدا کر دی ہے تم انہیں ہدایت کی طرف کتنا ہی بلاؤ، وہ اس حالت میں کبھی ہدایت نہ پائیں گے
سورۃ الکھف

اور اللہ کی آیات میں جھگڑے کرتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی سند یا دلیل آئی ہو یہ رویہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے نزدیک سخت مبغوض ہے اِسی طرح اللہ ہر متکبر و جبار کے دل پر ٹھپہ لگا دیتا ہے

﴿۳۵﴾ سورۃ غافر

مہر کیوں اور کب لگتی ہے؟

انسان کو اللہ تعالٰی نے آنکھیں، کان اور دل اس لیے نہیں دیئے تھے کہ وہ ان اعضاء سے صرف اتنا ہی کام لے جتنا دوسرے حیوان لیتے ہیں اور جانوروں کی طرح صرف اپنے کھانے پینے اور دنیاوی مفادات پر ہی نظر رکھے۔ کیونکہ انسان کو اللہ تعالٰی نے فہم و دانش کی دوسرے جانوروں سے بہت زیادہ قوتیں عطا فرمائی ہیں۔

انسان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالٰی نے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں جو انسان کی توجہ کو کائنات میں ہر سو اللہ تعالٰی کی بکھری ہوئی نشانیوں کی طرف مبذول کرتی ہیں۔ تاکہ انسان ان سے اللہ

تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے۔ پھر اگر انسان کانوں سے قرآن کی آیات کو سننا تک گوارا نہ کرے اور کائنات میں بکھری ہوئی آیات کو آنکھوں سے دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کرے تو اس کی ہدایت کی کوئی صورت باقی رہ جاتی ہے؟

.... اس سے بھی بدتر صورت حال

ان لوگوں کی ہے جو اللہ کی آیات سن بھی لیتے ہیں اور ان کے دل انہیں سمجھ بھی لیتے ہیں، لیکن وہ اپنی چودھراہٹوں یا بعض دوسرے دنیوی مفادات کی خاطر حق کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے، بلکہ الٹا مخالفت اور تعصب پر اتر آتے ہیں تو ایسے لوگوں کی آئندہ ہدایت پانے کی بھی کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی اور اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے دلوں اور کانوں پر مہر لگانے اور آنکھوں پر پردہ ڈالنے سے تعبیر فرمایا ہے اور اسی بات کی تائید درج ذیل مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ گناہ چھوڑ دے اور استغفار کرے اور توبہ کرے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر دوبارہ کرے تو نقطہ بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ دل پر چھا جاتا ہے اور یہی وہ زنگ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آیت (کَلَّا بَلْ ۫ رَانَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (14 (المطففین-83 :14)

(ترمذی، ابواب التفسیر)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دلوں پر فتنے اس طرح پیش ہوتے ہیں جیسے ٹوٹے ہوئے بورے کا ایک ایک تنکا جو دل انہیں قبول کر لیتا ہے اس میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اور جس دل میں یہ فتنے اثر نہیں کرتے، اس میں ایک سفید نکتہ ہو جاتا ہے جس کی سفیدی بڑھتے بڑھتے بالکل صاف سفید ہو کر سارے دل کو منور کر دیتی ہے۔ پھر اسے کبھی کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا

سکتا اسی طرح دوسرے دل کی سیاہی (جو حق قبول نہیں کرتا) پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اب وہ الٹے کوزے کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے نہ برائی بری معلوم ہوتی ہے۔

... مہر لگانے کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کیوں؟

اگر کافروں کے دلوں اور کانوں پر مہر ان کی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے لگتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے .... اس فعل کو اپنی طرف منسوب کیوں کیا

جواب یہ ہے
کہ یہ بھی اللہ ہی کا قانون ہے کہ جن اعضاء یا جن قویٰ سے انسان کام لینا چھوڑ دیتا ہے یا ان کی فراہم کردہ معلومات کو پس پشت ڈال دیتا ہے تو ان اعضاء اور قویٰ کی استعداد از خود زوال پذیر ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً انسان اگر اپنے بازو سے کچھ مدت کوئی کام نہ لے اور اسے حرکت تک نہ دے تو وہ از خود شل ہو جائے گا، اس میں حرکت کرنے کی استعداد باقی ہی نہیں رہے گی اور یہ قانون بھی چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کا بنایا ہوا ہے۔ لہٰذا اس فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف درست ہوئی۔ اگرچہ یہ انسان کے اپنے ہی شامت اعمال کے نتیجہ میں واقع ہوتی ہے۔

(5:۔الصف 61 (۔ایک جگہ ارشاد ہے آیت (فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ
یعنی جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے

(110:۔الانعام 6 (وَنُقَلِّبُ اَفْـــِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ)
ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیتے ہیں گویا کہ وہ سرے سے ایمان ہی نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

9 اعتراضات کے جوابات۔اعتراض

فہم وادراک کا مرکز دل یا دماغ؟

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ نے کافروں کے دلوں پر مہر لگادی ہے اور وہ کبھی ایمان نہیں لائیں " گے۔دوسری طرف سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ فہم وادراک اور ایمان لانا دماغ کا کام ہے۔ " دل کا نہیں، تو کیا قرآن کا دعٰوی سائنس کے متضاد ہے؟

:قرآن مجید ارشاد ہوا

خَتَمَ اللّٰہُ عَلَی قُلُوبِہِم وَعَلَی سَمعِہِم وَعَلَی اَبصَارِہِم غِشَاوَۃٌ وَلَہُم (٦) اِنَّ الذِینَ کَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَیہِم ءَاَنذَرتَہُم اَم لَم تُنذِرہُم لَا یُؤمِنُونَ (۷) عَذَابٌ عَظِیمٌ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا،ان کے لیے یکساں ہے خواہ آپ نہیں خبردار کریں یا نہ " کریں، بہر حال وہ ایمان لانے والے نہیں،اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگادی (:ہے۔اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔"(حاشیہ

: قلب کا مفہوم

عربی زبان میں لفظ "قلب" کے معنی دل کے بھی ہیں اور ذہانت کے بھی،ان آیات میں جو لفظ قلب استعمال ہوا ہے۔اس سے مراد دل بھی ہے اور ذہانت بھی،لہذا مذکورہ بالا آیات کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے کفار کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پر مہر لگادی ہے۔اور وہ نہ تو بات کو سمجھ پائیں گے اور نہ ایمان لائیں گے۔

: فہم وادراک کا مرکز

عربی زبان میں "قلب" سے فہم وادراک کا مرکز بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اور یہ فہم وادراک کے مفہوم میں استعمال کیئے جاتے ہیں۔ ان کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

☆ "Lunatic" : قمر یا چاند کا مارا ہوا :

لفظ Lunatic کا لغوی مطلب ہے چاند کا مارا ہوا یا چاند کی زد میں ایا ہوا۔ موجود دور میں لوگ خوب جانتے ہیں کہ کوئی پاگل یا ذہنی خلل میں مبتلا آدمی چاند کا ڈسا ہوا نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود میڈیکل ڈاکٹر بھی یہی لفظ استعمال کرتا ہے۔ یہ زبان کے عمومی ارتقاء کی ایک مثال ہے۔ ویسے "لینیٹک" بمعنی "دیوانہ" کی اصطلاح اس باطل تصور کے تحت گھڑی گئی چاند میں ہونے والی تبدیلیوں کا شدید اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ شعراء چاندنی سے عشق و دیوانگی کی کیفیت پیدا ہونے کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔

☆ Disaster: ایک منحوس ستارہ :

لفظDisaster کا معنی و مطلب منحوس ستارہ ہے لیکن آج کل یہ لفظ اچانک نازل ہونے والی بد قسمی یا آفت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ بد قسمتی کا کسی منحوس ستارے سے کوئی تعلق نہیں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں۔

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا!
جو خود فراخئ افلاک میں ہے خوار و زبوں

☆ Trivial: تین سڑکوں کا سنگم :

لفظ Trivial کا لغوی مطلب وہ مقام ہے جہاں تین سڑکیں ملتی ہوں۔ آج کل یہ لفظ کسی معمولی نوعیت کی یا بہت معمولی اہمیت کی حامل چیز کے لیئے بولا جاتا ہے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اگر کوئی چیز معمولی قدر و قیمت رکھتی ہو تو اسے تین سڑکوں کے سنگم سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

(Sunset) اور غروب آفتاب (Surise) طلوع آفتاب:

یا طلوع آفتاب کہا Sunrise کا لغوی مطلب ہے سورج کا چڑھنا، آج جب لفظ (Sunrise) سن رائز جاتا ہے تو لوگ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوتے کہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ سورج کہیں چڑھ نہیں رہا ہوتا۔ اس کے باوجود ماہرین ہی استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم اس بات سے بھی واقف ہیں کہ Sunrise فلکیات بھی لفظ کے وقت سورج کہیں غروب نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود Sunset "غروب آفتاب یا اصطلاح یہی استعمال ہوتی ہے۔

: محبت اور جذبات کا مرکز

انگریزی زبان میں محبت اور جذبات کا مرکز دل ہی کو کہا جاتا ہے اور دل سے مراد وہ عضوِ بدن ہے جو خون کو پمپ کرتا ہے۔ یہی لفظ دل کے خیالات، محبت اور جذبات کے منبع اور مرکز کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ آج ہمیں معلوم ہے کہ خیالات، محبت اور جذبات کا مرکز دماغ ہے، اس کے باوجود جب کوئی شخص جذبات کا اظہار کرتا ہے تو اکثر یہی کہتا ہے: "میں تم سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہوں۔ تصور کیجیئے! ایک سائنسدان جب اپنی اہلیہ سے ان الفاظ میں اظہار محبت کرتا ہے تو کیا وہ یہ کہے گی کہ تمہیں سائنس کی اس بنیادی حقیقت کا علم بھی نہیں کہ جذبات کا مرکز دماغ ہے، دل نہیں؟ کیا وہ اسے یہ مشورہ دے گی کہ تمہیں کہنا چاہیئے کہ میں تم سے اپنے دماغ کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہوں؟ لیکن وہ ایسا نہیں کہتی بلکہ خاوند کے دل کی گہرائیوں سے محبت کے دعوے کو تسلیم کرتی ہے۔ لفظ قلب، مرکز خیالات اور ادراک کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔

کوئی عرب کبھی یہ سوال نہیں پوچھے گا کہ اللہ نے کافروں کے دلوں پر کیوں مہر لگائی ہے کیونکہ اسے بخوبی علم ہے کہ اس سیاق وسباق میں اس سے مراد انسان کا مرکز خیالات وجذبات ہے۔

10 اعتراضات کے جوابات۔ اعتراض

کیا مسلمان کعبہ کو پوجتے ہیں؟

" جب اسلام بتوں کی پوجا سے کے خلاف ہے تو مسلمان اپنی نمازوں میں کعبہ کے آگے کیوں جھکتے ہیں اور اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ "

کعبہ ہمارا قبلہ ہے، یعنی وہ سمت جس کی طرف منہ کر کے مسلمان نماز پڑھتے ہیں، اہم بات یہ ہے کہ اگرچہ مسلمان نمازوں میں کعبہ کی طرف رُخ کرتے ہیں لیکن وہ کعبہ کو پوجتے ہیں نہ اس کی عبادت کرتے ہیں بلکہ مسلمان صرف اللہ کے آگے جھکتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔

: اس کا ذکر سورۃ بقرہ میں ہے

() قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

" اے نبی!) ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں۔ لہذا ہم ضرور) آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ سو آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔۔ "

(144 آیت 2 سورۃ البقرہ)

: قبلہ اتحاد و اتفاق کا ذریعہ ہے

اسلام وحدت کا دین ہے، چنانچہ مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کے لیے اسلام نے ان کا ایک قبلہ متعین کیا ہے اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں، نماز کے وقت کعبے کی طرف رخ کریں۔ جو مسلمان کعبے کے مغرب کی طرف رہتے ہوں، وہ اپنا رخ مشرق کی طرف کریں گے اور جو مشرق کی طرف رہتے ہوں، وہ اپنا رخ مغرب کی طرف کریں گے۔

: کعبہ نقشہ عالم کے وسط میں ہے

یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے دنیا کا نقشہ بنایا۔ ان کے نقشوں میں جنوب اوپر کی طرف تھا اور شمال نیچے کی طرف اور کعبہ درمیان میں تھا۔ بعد میں مغربی نقشہ نگاروں نے جو نقشے بنائے، ان میں شمال اوپر کی جانب اور جنوب نیچے کی طرف دکھایا گیا جیسا کہ آج کل دنیا کے نقشے بنائے جاتے ہیں۔ بہر حال الحمد للہ کعبہ دنیا کے نقشے کے تقریباً وسط میں ہے۔

: طوافِ کعبہ

جب مسلمان مکہ کی مسجد حرام میں جاتے ہیں، وہ کعبے کے گرد چکر لگا کر طواف کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل واحد سچے معبود پر ایمان اور اس کی عبادت کی علامت ہے۔ جیسے ہر دائرے کا ایک ہی مرکز ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالی بھی ایک ہے جو عبادت کے لائق ہے۔

: حضرت عمر (رضی اللہ تعالی عنہ) کی ایک حدیث میں عقیدہ توحید

جہاں تک سیاہ پتھر، یعنی حجر اسود کی حرمت کا تعلق ہے۔ حضرت عمر (رضی اللہ تعالی عنہ) کی ایک حدیث سے واضح ہے، حضرت عمر (رضی اللہ تعالی عنہ) نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور کہا :

" انی اعلم انک حجر لا تضر ولا تنفع ولولا انی رایت رسول اللہ (ﷺ) یقبلک ما قبلتک "

میں یقیناً جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں نے " نبی کریم (ﷺ) کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا۔

(صحیح البخاری، الحج، باب ماذکر فی الحجر الاسود حدیث 1597)

: کعبے کی چھت پر اذان

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دور میں کعبہ کی چھت کے اوپر کھڑے ہو کر اذان دیتے تھے (تجلیات نبوت، ص 226۔)

اب لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان کعبہ کو پوجتے ہیں تو بھلا کون سا بتوں کو پوجنے والا اس بُت کے اُوپر کھڑا ہوتا ہے جس کی وہ پوجا کرتا ہے؟

اسلام میں پوجنے اور عبادت کرنے کا تصور صرف ذات باری تعالی کے لیے ہے۔ حجر، (شجر، شخصیات یا استھان کی پُوجا کا تصور اسلام میں نہیں پایا جاتا۔ اسلام نے ایسی جگہ پر بھی عبادت سے روک دیا ہے جہاں اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کا شبہ پیدا ہو سکتا ہو۔ مثلاً قبرستان میں نماز ادا کرنا، یا ایسی جگہ عبادت کرنا جہاں غیر اللہ کی عبادت کی جاتی ہو، ممنوع ہے، تاریخ شاہد ہے کہ کسی دور میں کوئی ایک مچال بھی نہیں ملتی کہ (مسلمانوں نے کسی مکان یا عمارت کی عبادت کی ہو۔

اسی طرح آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالی کے سوا کسی اور کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ بتوں کے پجاری تو بت خانے میں جا کر عبادت کرتے ہیں یا ان بتوں کے ماڈل بنا کر سامنے رکھتے ہیں جب کہ مسلمان قبولیت عبادت کے لیے خانہ کعبہ جانے کو شرط قرار دیتے ہیں نہ اس کا ماڈل اپنے سامنے رکھنا جائز سمجھتے ہیں۔ وہ توجہتِ کعبہ کو سامنے رکھ کہ کعبہ کے بجائے رب کعبہ کی عبادت کرتے ہیں۔
اور اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ کعبہ کے رب کی عبادت کریں نہ کہ کعبہ کی۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ
پس انہیں چاہیئے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے رہیں
۱۰۶/۳

اعتراضات کے جوابات۔اعتراض 11

کیا اسلام بزورِ شمشیر پھیلا؟

"اسلام کو امن و سلامتی کا مذہب کیسے کہا جا سکتا ہے جبکہ یہ تلوار کے زور سے پھیلا؟"

کچھ غیر مسلم عام طور پر اعتراض اٹھاتے ہیں کہ اسلام کے ماننے والے اتنی زیادہ تعداد میں نہ ہوتے اگر اسلام تلوار کے ذریعے سے نہ پھیلا ہوتا۔ مندرجہ ذیل نکات یہ حقیقت واضح کریں گے کہ اسلام بزورِ طاقت ہر گز نہیں پھیلا بلکہ اپنی عالمگیر صداقت، عقل پر مبنی تصورات اور سچائی پر مبنی دلائل کی بدولت اسلام کو فروغ ملا ہے۔

اسلام کا مطلب:

اسلام لفظ "سلام" سے نکلا ہے۔ جس کا مطلب ہے سلامتی اور امن، اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے آگے جھکا دیا جائے۔ پس اسلام سلامتی اور امن کا مذہب ہے جو اپنے آپ کو اللہ کی مرضی کے آگے جھکا دینے کی بدولت نصیب ہوتا ہے۔

طاقت کا استعمال:

دنیا میں ہر انسان امن اور ہم آہنگی قائم رکھنے کے حق میں نہیں ہوتا یا بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے مفادات کے لیے امن و امان کو خراب کرتے ہیں۔ لہذا بعض اوقات امن قائم رکھنے کے لیئے طاقت کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جرائم کے سدباب کے لیے پولیس کا نظام قائم کیا گیا ہے جو مجرموں اور سماج دشمن عناصر کے خلاف طاقت استعمال کرتی ہے تاکہ ملک میں امن و امان قائم رہے، اسلام امن کا خواہاں ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے ماننے والوں کو ظلم و استحصال کے خلاف لڑنے کا حکم دیتا ہے۔ بعض اوقات ظلم سے لڑنے اور اسے ختم کرنے کے لیے طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام میں طاقت کا استعمال صرف ظلم کے خاتمے، امن کے فروغ اور عدل کے قیام کے لیے ہے اور اسلام کا یہ پہلو سیرت النبی (ﷺ) خلفائے راشدین (رضی اللہ تعالی عنھم) کے عہد کے ادوار سے بخوبی آشکار ہوتا ہے۔

مؤرخ ڈی لیسی اولیری کی رائے:

اس غلط نظریے کا جواب کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا، ایک انگریز مؤرخ ڈی لیسی اولیری نے اپنی کتاب "Islam at the Cross Road" صفحہ 8 میں بہترین انداز میں دیا ہے:

"تاریخ بہر حال یہ حقیقت واضح کر دیتی ہے کہ مسلمانوں کے متعلق روایتی تعصب پر مبنی کہانیاں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا اور اس کے ذریعے سے جنونی مسلمان دنیا پر چھا گئے، سب نامعقول اور فضول افسانے ہیں جنھیں مؤرخین نے بار بار دُوہرایا ہے۔"

سپین میں مسلمانوں کے 800 برس:

مسلمانوں نے سپین میں تقریباً 800 سال حکومت کی اور وہاں لوگوں کو مسلمان کرنے کے لیے کبھی تلوار نہیں اٹھائی، بعد میں صلیبی عیسائی برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے وہاں سے مسلمانوں کا صفایا کر دیا اور پھر سپین میں ایک بھی مسلمان ایسا نہ تھا جو آزادی سے "اذان" دے سکے۔

تقریباً ڈیڑھ کروڑ عرب نسلی عیسائی ہیں:

مسلمان دنیائے عرب پر 1400 سال سے حکمران ہیں۔ اس کے باجود ابھی تک 14 ملین یعنی ایک کروڑ چالیس لاکھ عرب ایسے ہیں جو نسلوں سے عیسئی ہیں۔ جیسے مصر کے قبطی عیسائی، اگر اسلام تلوار یا طاقت کے زور سے پھیلا ہوتا تو عرب میں ایک بھی عیسائی نہ ہوتا۔

بھارت میں غیر مسلم:

ہندوستان میں مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار سال حکومت کی۔ اگر وہ چاہتے تو بذریعہ طاقت ہندوستان کے ہر غیر مسلم کو مسلمان کر لیتے۔ آج بھارت کی 80 فیصد آبادی غیر

مسلموں کی ہے۔ یہ تمام غیر مسلم کیا اس بات کی زندہ شہادت نہیں ہیں کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا۔

انڈونیشیا اور ملائشیا میں اسلام:

دُنیا بھر کے ممالک میں سے انڈونیشیا میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، اسی طرح ملائشیا میں بھی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ کون سی اسلامی فوج انڈونیشیا اور ملائشیا گئی تھی؟

افریقہ کا مشرقی ساحل:

اسی طرح اسلام بہت تیزی سے براعظم افریقہ کے مشرقی ساحل پر پھیلا۔ مستشرقین سے پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر اسلام تلوار کے ذریعے سے پھیلا تو کونسی اسلامی فوج افریقہ کے مشرقی ساحل پر گئی تھی۔

تھامس کارلائل کی دلیل:

مشہور مؤرخ تھامس کارلائل اپنی کتاب "ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ" میں اسلام کے پھیلاؤ کے بارے میں مغربی تصورات کی تردید کرتے ہیئے کہتا ہے:

"اسلام کے فروغ میں تلوار استعمال ہوئی لیکن یہ تلوار کیسی تھی؟ ایک نظریہ تھا۔ ہر نیا نظریہ شروع میں فردِ واحد کے نہاں خانہ دماغ میں جنم لیتا ہے۔ وہاں وہ نشو نما پاتا رہتا ہے۔ اس پر دنیا بھر کا صرف ایک ہی آدمی یقین رکھتا ہے۔ گویا ایک شخص فکری لحاظ سے تمام انسانوں سے مختلف ہوتا ہے۔ اگر وہ ہاتھ میں تلوار لے اور اس کے ذریعے سے اپنا نظریہ پھیلانے کی کوشش کرے تو یہ کوشش بے سود رہے گی۔ لیکن اگر آپ اپنے نظریے کی تلوار سے سر گرم عمل رہیں تو وہ نظریہ دُنیا میں اپنی قوت سے خود بخود پھیلتا چلا جائے گا۔"

دین میں کوئی جبر نہیں:

یہ درست نہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ مسلمان فروغ اسلام کے لیے تلوار استعمال کرنا چاہتے بھی تو استعمال نہیں کر سکتے تھے کیونکہ قرآن مجید مندرجہ ذیل آیت میں کہتا ہے۔

لاإِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (سورۃ البقرہ 2 آیت 256)

"دین میں کوئی جبر نہیں۔ ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔"

حکمت کی تلوار:

فروغِ اسلام کا باعث دراصل حکمت کی تلوار ہے۔ یہ ایسی تلوار ہے جو دل اور دماغ فتح کر لیتی ہے۔ قرآن کہتا ہے۔:

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (سورۃ النحل 16 آیت 125)

"لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور بہترین وعظ کے ساتھ بلائیں اور ان سے بہترین طریقے سے بحث کریں۔"

نصف صدی میں عالمی مذاہب کے پیروکاروں میں اضافہ:

1986ء میں ریڈرز ڈائجسٹ کے ایک مضمون میں 1934ء سے 1984ء تک نصف صدی میں دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کے پیروکاروں کی تعداد میں فیصد اضافے کے اعداد و شمار دئے گئے تھے۔ یہ مضمون "صاف سچ (The Plain Truth) "نامی جریدے میں بھی چھپا۔ ان میں سر فہرست اسلام تھا جس کے پیروکاروں کی تعداد میں 235 فیصد اضافہ ہوا اور عیسائیت میں اضافہ صرف 47 فیصد رہا۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ اس صدی میں کون سی مذہبی جنگ لڑی گئی جس نے لاکھوں لوگوں کو مسلمان کر دیا۔

امریکہ اور یورپ میں روز افزوں مذہب اسلام ہے:

آج یورپ اور امریکہ میں سب سے زیادہ بڑھنے والا مذہب اسلام ہے۔ وہ کون سی تلوار ہے جو لوگوں کی اتنی بڑی تعداد میں مسلمان ہونے پر مجبور کر رہی ہے؟ یہ تلوار اسلام کا سچا عقیدہ ہے۔

اگر "تلوار کے ذریعے اسلام پھیلنے" کے نظریہ کو درست سمجھ لیا جائے تو مندرجہ ذیل سوالات ذہن میں اُبھرتے ہیں:

1۔ ابتداء میں جو لوگ مسلمان ہوئے اور 13 سال تک مکہ میں ظلم و ستم کی چکی میں پستے رہے انہیں کون سی تلوار نے مسلمان کیا تھا؟

2۔ مدینہ پہنچ کر جنگِ بدر کے میدان میں مسلمانوں کے پاس کون سی تلوار تھی؟ تلوار اگر تھی تو وہ قریش کے پاس تھی۔ لیکن نتیجہ یہ نکلتا کہ جنگِ بدر تک کے چودہ سال میں صرف 313 مجاہدینِ اسلام جنگ میں شریک ہوئے ہیں لیکن ایک سال بعد جنگِ اُحد میں یہ تعداد سات سو تک جا پہنچی ہے۔ یعنی ایک سال میں تعداد دُگنی سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ اضافہ کون سی تلوار نے کیا تھا؟

3۔ جنگِ اُحد میں بھی تلوار دشمن کے پاس تھی جو تعداد میں چار پانچ گنا بھی تھا اور مسلح بھی لیکن نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بہت سی تعداد مسلمانوں سے آملتی ہے اور 2 سال بعد جنگِ خندق کے موقع پر مجاہدین کی تعداد 3 ہزار یعنی جنگِ اُحد سے بھی چار گنا ہو جاتی ہے۔

4۔ صلح حدیبیہ میں تلوار کا مسئلہ ہی سامنے نہیں آیا۔ لیکن مسلمانوں کی جمیعت میں لا تعداد اضافہ ہو گیا۔

5۔ یہودیوں سے جنگیں ہوئیں۔ ان میں بھی تلوار یہودیوں کے پاس تھی۔ جیسا کہ ان کا اپنا بیان ہے۔ ان کی مشہور جنگ خیبر تھی۔ جس میں مسلمان صرف چودہ سو تھے اور یہود دس ہزار۔ اس کے نتیجہ میں بھی بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

6۔ فتح مکہ میں یہی صورت حال پیدا ہوئی۔ قریش مکہ کو عام معافی تو مل چکی تھی۔ پھر انہیں اسلام لانے پر کون سی تلوار نے مجبور کیا۔

7۔ طائف میں محاصرہ اٹھا لینے کے بعد اہل طائف کو اسلام لانے کی کیا مجبوری پیش آ گئی تھی۔

اعتراضات کے جوابات۔ اعتراض 12

قرآنِ کریم اور مسیحی عقیدہ تثلیث

سید امجد حسین نامی ایک ملحد مصنف، جو فیس بُک پر اسلام کے خلاف لکھنے والوں میں پیش پیش ہے، کی جانب سے قرآنِ پاک اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر کئی ایک اعتراضات اُٹھائے گئے ہیں اور اِن اعتراضات پر مشتمل ایک فہرست قلمبند کی گئی ہے۔ یہاں راقم الحروف کی جانب سے ایک انتہائی اہم نوعیت کے اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اُمید ہے کہ قارئین آخر تک پڑھ کر غیر جانبداری سے نتائج نکالیں گے۔

اِس سلسلے کی پہلی کڑی میں ہم قرآن میں بیان کردہ "تصورِ تثلیث" پر بات کریں گے۔ چونکہ اسلام اور مسیحیت دونوں ہی تبلیغی ادیان ہیں اور دونوں کے درمیان علمی و عملی جنگ زمانۂ قدیم سے جاری ہے، لہٰذا دونوں کی جانب سے ایک دوسرے پر اعتراضات کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ اس عمل میں مسیحیت کا طرزِ عمل شدت پسندی اور نفرت و حقارت کا حامل ہے، جبکہ مسلمانوں کی جانب سے مسیحیوں کو "اہلِ کتاب" کے درجہ پر فائز کیے جانے کے سبب قدرے نرمی برتی جاتی رہی ہے۔ دلچسپ امر ہے کہ "تثلیث" (Trinity) کے قرآنِ کریم کے پیش کردہ تصور کے غلط ہونے کا راگ مسیحی علماء ایک عرصے سے الاپ رہے ہیں اور اب یہی "ماچس" "ملحد" "بندروں" کے ہاتھ میں آ چکی ہے۔ تاہم اِس موضوع پر گفتگو کیے جانے سے قبل اِس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ سبھی اعتراضات نئے نہیں ہیں، بلکہ پرانی شراب کو نئی بوتل میں ڈال کر پیش کیا گیا ہے۔ دورِ جدید کی اسلامی Apologetics کو اُٹھا کر دیکھا جائے تو سطحی سوچ کے حامل انسان کو

بھی یہ بات روزِ روشن کی طرح عیّاں ہو جاتی ہے کہ ایسے سبھی اعتراضات (اور بے شمار خرافات) کا تسلی بخش جواب دیا جا چکا ہے۔ لیکن نفسِ معاملہ یہ ہے کہ اپنی ''ڈھیٹ'' فطرت کی وجہ سے یہ معترض بار بار منہ کی کھانے کے باوجود اُنہیں اعتراضات مختلف حیلے بہانوں سے گھڑتے اور پیش کرتے رہتے ہیں۔ یعنی اِس سرگرمی کا کوئی ماحصل نہیں، سوائے اِس کے کہ ہمارے قارئین اپنے ایمان پر اطمینان اور یقین رکھ سکیں اور ایمان کسی قسم کے خطرات سے دوچار نہ ہو۔

اِن سبھی اعتراضات کو "ابنِ ورق" کے قلمی نام کے حامل ایک اسلام دشمن مصنف نے مختلف مستشرقین کی کانٹ چھانٹ کر کے اپنی مرضی کا مواد سیاق و سباق کی ذرا بھی پرواہ کیے بغیر اُٹھا لیا اور اپنی تدوین کردہ نصف درجن سے زائد کُتب میں قلمبند کر دیا۔ اسلام کے خلاف زہر افشانی کرتی اِن کُتب میں چند معروف کُتب کے نام یہ ہیں :

The Quest for Historical Muhammad

Why I am not a Muslim

What the Koran Really Says

The Origins of the Koran

Which Koran?

Koranic Sources

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہاں عنوانات میں ہی سارا زور قرآنِ کریم کو جھٹلانے پر لگا دیا گیا ہے۔ یہی وہ مآخذ ہیں جہاں سے ملحدین مواد اُٹھا کر اپنے نام سے شائع کرتے ہیں، یا پھر انٹرنیٹ پر موجود چند عیسائی ویب سائٹس اِن کی مرغوب غذا، یعنی اسلام مخالف مواد فراہم کرنے میں پیش پیش نظر آتی ہیں۔ قارئین پر واضح کرتا چلوں کہ یہ سب باتیں آج سے دو سو سال پہلے تب شروع ہوئی

تھیں جب "مستشرقین" نے مشرقی ادیان بالخصوص اسلام کا تنقیدی مطالعہ شروع کیا تھا اور اس عمل کے لیے بعینہ وہی اُصول اپنائے گئے تھے جو یورپ کے روشن خیالوں نے بائبل مقدس کے حقیقی تاریخی مآخذوں کھوجنے کے لیے اپنائے تھے۔ یعنی مسیحیت کے پروکاران مستشرق علماء نے اپنی الہامی کتاب کے خلاف پہلے سے استعمال شدہ حربوں کو اسلام پر جارحیت کے لیے استعمال کیا اور اسلام کو مغربی طرز کی منہ زور تکنیک "Deconstructionism" کا نشانہ بنا ڈالا۔ اِس طرح کوشش کی گئی کہ کسی طرح اسلام کے زمینی مآخذوں تک پہنچا جائے، تاہم اِس کوشش میں سبھی متعصب مستشرقین کو منہ کی کھانی پڑی۔ لٰہذا مستشرقین کی پوری تحریک کی کوشش ناکام گئی اور اسلام بجائے پیچھے ہٹنے کے پوری آب وتاب سے مزید پھیلنے لگا۔

بات کو آگے بڑھانے سے پہلے ضروری ہے کہ ملحد مصنف کا اعتراض ایک دفعہ پڑھ کر اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔ ملحدوں کے سرخیل سید امجد حسین فرماتے ہیں:

اختراع محمدی تثلیث: پہلے اس ضمن میں ہم قرآن کی کچھ آیات دیکھ لیتے ہیں: • "اور جب خدا فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟" ......(سورہ المائدہ: 116) • "اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے نہ نکلو اور اللہ کی شان میں سائے پکی بات کے نہ کہو، بے شک مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہے اور اللہ کا ایک کلمہ ہے جسے اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہے، سو اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں، اس بات کو چھوڑ دو تمھارے لیے بہتر ہو گا، بے شک اللہ اکیلا معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے اس کی اولاد ہو، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین ہے اور اللہ کارساز کافی ہے۔" (سورہ النساء 171) • "جنھوں نے کہا اللہ تین میں سے ایک ہے، بے شک وہ کافر ہوئے حالاں کہ سوائے ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں اور اگر وہ اس بات سے باز نہ آئیں گے جو وہ کہتے ہیں تو ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو دردناک عذاب پہنچے گا۔" (سورہ المائدہ: 73) محولہ بالا آیات سے صاف عیاں ہے کہ محمد نے کچھ بدعتی عیسائی فرقوں کے عقائد کے متعلق سن رکھا تھا کہ وہ خدا کو تین (تثلیث) گمان کرتے تھے، یعنی خدا، مریم اور عیسیٰ، جب کہ یہ عقیدہ عیسائیت کے بنیادی عقیدے کے بموجب کفر ہے۔ توریت کتاب استثنا، باب 6، آیت 4، میں صاف صاف لکھا ہوا ہے کہ "سن اے اسرائیل، خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔" انجیل مرقس، باب 10، آیت

29 میں عیسیٰ نے اسی آیت کا حوالہ دے کر بڑی تاکید کے ساتھ اس کی تصدیق کی، "تمھارا اکیلا رب ہے۔ "آج بھی کوئی راسخ العقیدہ عیسائی مریم کی الوہیت کا قائل نہیں ہے۔"

یہاں بات کو اِس کی حتمی شکل میں لے کر جانے سے پہلے سید امجد حسین صاحب کو میں یہ چیلنج دے رہا ہوں کہ وہ اُس "بدعتی" عیسائی فرقہ کا نام بتادیں جو اِنہی تین (باپ، ماں اور بیٹا) کو خدا تسلیم کرتا تھا۔ صرف ایک ایسے فرقہ کا تذکرہ ہی کردیں، جس کے عقائد بقول اُن کے یہی تھے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ مسیح اور مریم دونوں شریکِ تثلیث ہیں اور "خداوند" ہیں۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جہاں امجد حسین موصوف اُوپر ایک جانب عیسائی بدعتی فرقہ کا ذکر کرکے تثلیث کی محولہ بالا خاندان نما تکونی شکل کی تصدیق کرتے ہیں، وہیں یہ ملحد صاحب یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ عیسائیوں کا ایسا کوئی عقیدہ نہیں جس میں حضرت مریم کو خدا کا ایک رُوپ یا عین ذاتِ خدا کا حصہ تسلیم کیا گیا ہو۔ وہ اِس دعویٰ کی تصدیق کے لیے "راسخ العقیدہ عیسائی" کی اصطلاح استعمال کرکے جہاں علمیت جھاڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، وہیں اپنی جہالت کا اعلان بھی ببانگِ دُھل کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اور یقین جانیں اِس کہاوت کی مثال امجد حسین نامی ملحد کی محولہ بالا خود ساختہ تاریخ نگاری سے بہتر اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

چونکہ قرآن ساتویں صدی میں نازل ہوا اور اُس وقت مسیحی دُنیا بازنطینی سلطنت کے زیرِ سایہ تھی جو سلطنتِ روما کی مشرقی باقیات پر مشتمل تھی۔ مغربی باقیات سیاست کی جگہ مذہب نے ترکہ میں پائی تھیں اور روم میں "پوپ" کو مسیحی دُنیا کی سرداری حاصل ہوگئی تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جنھیں آج راسخ العقیدہ کی اصطلاح کا سہارا لے کر ملحد معترض "عیسائی" کہہ رہے ہیں، کہیں وہ لوگ بعد کے زمانہ کی پیداوار تو نہیں اور کہیں یہ حوالہ ہی تاریخی غلطی یعنی Anachronism پر مبنی افسانہ تو نہیں؟ امجد حسین سے سوال ہے کہ کیا آج تک مسیحیت میں کوئی ایسی نظریاتی بنیاد سب میں باہم قابلِ قبول رہی ہے کہ جس کی بنیاد پر "راسخ العقیدہ" اور "بدعتیوں" کا فیصلہ کیا جاسکے؟

بات کو آگے لے کر چلتے ہیں۔ مسیحیت میں پہلا پوپ "پطرس رسول" (Apostle Peter) کو کہا جاتا ہے اور اِس بات کا حوالہ انجیلِ متی باب 16، فقرہ 18 سے دیا جاتا ہے

جہاں حضرتِ مسیح پطرس کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ اِس چٹان (پطرس) پر میں اپنی کلیسیا تعمیر کروں گا۔ زمانہء پطرس سے آج تک پوپ کیتھولک مذہب کا اٹوٹ سلسلہ رہے ہیں اور آج بھی عیسائی دُنیا کا غالب مذہب رومن کیتھولک میسحیت ہی ہے۔ ساتویں صدی میں جب قرآن نازل ہوا تو اُس زمانہ میں کیتھولک میسحیت ہی مسیحی دُنیا کی ''راسخ العقیدہ'' شکل تھی۔ بازنطینی سلطنت بھی عقائد کے معاملات میں کیتھولک مذہب سے مختلف نہ تھی، اور محض نام میں ''آرتھوڈکس'' کہلوانا پسند کرتی تھی، جو کہ خالصتاً سیاسی مقاصد کے لیے تھا۔ اِسی طرح آرتھوڈکس کا سربراہ ''پوپ'' کی بجائے ''Patriarch''(پیٹریارک) یعنی ''سربراہ'' کہلواتا تھا۔

اِس ساری تمہید کا مقصد یہ ہے کہ اصل تاریخی پسِ منظر کو واضح کردیا جائے، جس کی نقشہ کشی میں ملحد مصنف نے یا تو دانستہ ڈنڈی ماری ہے، یا پھر بے چارے کے پاس علم نہیں اور وہ ''چھاپہ مار'' واقع ہوا ہے۔ لیکن یاد رکھیے گا کہ ''نقل کے لیے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے!'' بہر حال دونوں صورتوں میں ملحد معترض اِس قابل قرار نہیں پاتا کہ اُس کو سنجیدگی سے لیا جائے۔

اب ہم اپنے اصل مؤقف کی طرف آتے ہیں۔ کیتھولک میسحیت نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ''پاکیزہ کنواری پیدائش'' کی قائل ہے، بلکہ اُن کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ حضرت مریم کی پیدائش بھی میاں بیوی کے جنسی اختلاط کے بغیر ہوئی تھی، یعنی کنواری مریم بھی اپنی پیدائش میں انسانی جنسیت کے داغ سے پاکیزہ ہیں۔ یہ عقیدہ تیسری صدی عیسوی تک پروان چڑھ چکا تھا، جبکہ اِس سے پہلے بھی اِس کے ہلکے پھلکے حوالہ جات ملتے ہیں۔ یہی وہ عقیدہ تھا جو آگے چل کر کیتھولک دُنیا کے معروف ترین عقیدہ ''چونکہ مریم تھی خدا کی ماں، لٰہذا از خود خدا''(Mariology) کی منطق پر قائم کردہ عقیدہ میں تشکیل پا گیا۔ اِس عقیدہ کو کیتھولک مذہب میں ''خدا کو پیدا کرنے والی''(Mother of God) کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے اور اِس کے لیے جو یونانی مذہبی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے وہ Θεοτόκος یعنی Theo-Tokos ہے۔ Theo یونانی زُبان میں ''خدا'' کو کہتے ہیں، جبکہ Tokos ماخذ یا جنم دینے والے ذریعہ کو کہتے ہیں۔ اِس عقیدہ کے لیے علمی جواز یہ فراہم کیا جاتا ہے کہ خدا کو خدا کے ہی کسی رُوپ کے علاوہ کوئی اور جنم نہیں دے سکتا۔ یہ عقیدہ آج بھی میسحیت کے 60٪ سے زائد ماننے والوں کے عقائد کا حصہ

ہے اور وہ سب حضرت مریم کو ذاتِ خدا کا حصہ اور شفاعت و نجاتِ انسانی کا اہم جزو تسلیم کرتے ہیں۔ اِس روایت کی ابتداء شام میں ہوئی تھی۔

قرآنِ کریم نے اپنے نزول کے وقت مسیحی مذہب کی اسی اجتماعی صورتحال پر تبصرہ کیا ہے، کیونکہ اُس وقت حضرت مریم کی پوجا و پرستش آج کی نسبت زیادہ شدت سے ہوتی تھی، اور اِس کے لیے شام و ایشیائے کوچک اور بحیرہ روم کے مشرقی ساحل خاص طور پر شہرت رکھتے تھے۔ قرآن نے اِس صورتحال پر ایک عمومی انداز اختیار کرتے ہوئے اللہ کے علاوہ پرستش کی جانے والی معروف مسیحی ہستیوں کا ذکر کیا ہے اور جس انداز میں حضرت عیسیٰؑ کے الفاظ پیش کیے گئے ہیں وہاں ''اللہ کے علاوہ مجھے (عیسیٰؑ) اور میری ماں (مریمؑ) کو خدا'' جیسی ترکیب استعمال کی گئی ہے، جو انتہائی معقول ہے۔ اِس امر کی تصدیق کے لیے تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ یہ دو ہستیاں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم ہی تھیں، جن کی باقاعدہ بُت پرستانہ انداز میں عبادت کی جاتی تھی، کیونکہ اِس طرح مسیحیوں کے نزدیک اُن کے الوہیت کے درجہ کا بہترین اظہار ہوتا تھا۔ اِن کی پوجا نہ صرف اُس زمانہ میں کیتھولک مسیحیت میں پاپائیت (Papacy) کے زیرِ سایہ سرکاری طور پر کی جاتی رہی، بلکہ یہ سلسلہ آج بھی دُنیا بھر میں جاری ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جو لوگ اِس آیتِ مبارکہ سے ''تثلیث'' اخذ کرتے ہیں وہ اِس بات پر غور ہی نہیں کر پاتے کہ سورۃ مائدہ کی مذکورہ آیت میں ''تثلیث'' لفظ کا ذکر تک موجود نہیں ہے، لہٰذا آیت حضرت مریمؑ کی شخصیت کی پوجا پر ایک عمومی تبصرہ ہے جو تثلیث سے آزاد اپنی تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ آیئے اِس آیتِ مبارکہ پر ایک نظر دوبارہ ڈالتے ہیں۔

''جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی معبود مقرر کرو؟'' (سورۃ مائدہ، 116)

تثلیث کا ذکر درحقیقت ایک دوسری آیتِ مبارکہ میں کیا گیا ہے اور یہاں حضرت مریم کا تذکرہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

''بے شک کافر ہیں وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ تین خداؤں میں تیسرا ہے۔'' (سورۃ مائدہ، 73)

چونکہ یہاں حضرت مریم کا ذکر نہیں کیا گیا، تو الہامی صحائف کے عمومی اصولِ تفسیر، جس کا اطلاق بائبل مقدس پر بھی ہوتا ہے، کی رُو سے یہ سمجھنا کہ مریم ہی کو یہاں بھی اللہ اور عیسیٰ یعنی باپ اور بیٹا کے ساتھ تیسرا ''خداوند'' قرار دیا جارہا ہے، ایک غلط سمت میں سوچ کے گھوڑے دوڑا کر افسانے گھڑنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا یہاں قیاس کا حقیقی تصورِ تثلیث کی طرف جانا ہی فی النفسِ معاملہ ایک مسلمہ اصول قرار پاتا ہے۔

اِسی طرح یہاں یہ معلوم کرنا بھی از حد ضروری ہے کہ مسیحی تثلیث کا تیسرا جزو کس ہستی کو مانتے ہیں۔ مسیحیت چوتھی صدی کے بعد سے کلیسیاء کی باقاعدہ سند کے ساتھ اجتماعی طور پر ''رُوح القدس'' کو تثلیث کا تیسرا جزو قرار دیتی ہے۔ تاہم یہ امر دلچسپی کا حامل ہے کہ رُوح القدس ایک مجرد عقیدہ، فلسفہ یا چیز ہے، جس کی کوئی جسمانی یا کنکریٹ تشریح نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا رُوح القدس کی منظم پُوجا کیا جانا ممکن ہی نہیں تھا۔ نہ تو یہ بات بُت پرستوں کو اپیل کر سکتی تھی اور نہ ہی مسیحی لوگ کلیسیاء کے علاوہ کوئی ایسا معبد بنا سکتے تھے جو رُوح القدس کے نام منسوب ہو اور جہاں خدا باپ اور خدا بیٹے کے علاوہ کسی تیسرے کی عبادت کی جاسکے۔ مسیحی زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا جسم رُوح القدس کا معبد/ٹیمپل ہے۔ اِس لیے اِس تجرد پر ایک عام ذہن کا ٹِک پانا نہ اُس زمانے میں ممکن تھا اور نہ ہی آج ایسا ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحیت کے پینٹی کاسٹل فرقہ کے علاوہ آج بھی رُوح القدس کا تذکرہ مسیحی حلقوں اور کلیساؤں میں خال خال ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن نے زمینی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے نہ صرف مسیحیت کی ایک حقیقی تصویر کشی کی بلکہ ساتھ ہی ساتھ ایک ہی وار سے ''شرک'' کی اِس عجیب و غریب یونانی دیومالائیت سے ماخوذ شکل کو بھی مسترد کر دیا۔ یاد رہے کہ قرآنِ کریم نے ''جبرائیل'' کو رُوح القدس قرار دیا ہے، جو کہ مخلوقِ الٰہی میں سے ایک ہیں۔

بات ختم کرنے سے پہلے ملحد مصنف کی ایک اور مضحکہ خیز حرکت کا ذکر کر دیا جانا ایک علمی لطیفہ سے کم نہ ہوگا۔ مذکورہ بالا عبارت جو ملحد معترض کے اعتراضات کی حامل ہے، میں ایک جگہ عہد نامہ قدیم یعنی یہودی ''تناخ'' کا ذکر کرتے ہوئے مسیحیوں کے خدا کی جو تعریف مصنف نے کی ہے اُس کو تو مسیحی خود بھی تسلیم نہیں کرتے۔ یہاں تو ملحد صاحب مسلمانوں سے بھی زیادہ ''مواحد'' معلوم ہوتے ہیں، جو مسیحیوں کو ''خدائے واحد'' کا پرچار عہدِ قدیم سے کر کے یہ درس دے رہے ہیں کہ بھئی جس خدا کو تم تین کہہ کر مان رہے ہو، وہ تو

درحقیقت بائبل مقدس کی کتاب استثناء کی رُو سے ''واحد'' ہے اور اُس کا کوئی ہمسر نہیں۔ واہ رے ملحد، خدا نے تمہارے ہاتھ سے ہی توحید کا کیا خوبصورت اقرار کروادیا اور وہ جملہ لکھوادیا جو تم اپنے طور پر وجودِ خدا اور کلامِ خدا کے خلاف لکھنا چاہ رہے تھے۔ (سید وقّاص حیدر)

اعتراضات کے جوابات۔ اعتراض 13

کیا حجاب عورت کا استحصال نہیں؟

"اسلام عورت کو پردے میں رکھ کر اس کی حیثیت کیوں گھٹاتا ہے؟"

سیکولر میڈیا میں اسلام میں عورت کی حیثیت کو اکثر نشانہ بنایا جاتا ہے۔ حجاب یا اسلامی لباس کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ عورت اسلامی شریعت کی محکوم اور باندی ہے۔ اس سے پہلے کہ اسلام کے حجاب کے حکم کا تجزیہ کریں، ہمیں اسلام سے پہلے کے معاشروں میں عورت کی حیثیت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

زمانہ قدیم میں عورت کی حیثیت:

تاریخ سے لی گئی درج ذیل مثالیں واضح کرتی ہیں کہ قدیم تہذیبوں میں عورت کی حیثیت نہایت بے وقعت تھی اور اسے محض شہوانی جذبات کی تسکین کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا حتی کہ اسے بنیادی انسانی شرف وعزت سے بھی محروم کر دیا گیا تھا۔

بابل کی تہذیب:

اس تہذیب میں عورتوں کو گھٹیا سمجھا جاتا اور بابلی قوانین کے تحت وہ تمام حقوق سے محروم تھیں۔ اگر ایک آدمی قتل کا مرتکب ہوتا تو بجائے اس کے کہ اُسی کو سزا ملے، اس کی بیوی کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔

یونانی تہذیب:

یونانی کو قدیم تہذیبوں میں بہترین اور شاندار تہذیب سمجھا جاتا ہے۔اس "شاندار" تہذیب میں عورت تمام حقوق سے محروم تھی اور اسے حقیر سمجھا جاتا تھا۔یونانی دیومالائی کہانیوں میں ایک خیالی عورت جسے "پنڈورا" کہا جاتا تھا،اُسے انسانوں کی بدقسمتی کی بنیادی وجہ خیال کیا جاتا تھا۔یونانی لوگ عورت کو مرد سے بہت کمتر سمجھتے تھے۔اگرچہ عورت کی دوشیزگی کو قیمتی سمجھا جاتااور عورتوں کو اس حوالے سے خاصی اہمیت دی جاتی تھی لیکن بعد میں یونانی تہذیب پر بھی انانیت اور جنسی بے راہ روی چھا گئی اور اس تہذیب میں ذوقِ طوائفیت عالم ہو گیا۔

رومی تہذیب:

جب رومی تہذیب اپنی "عظمت" کی بلندیوں پر تھی،ایک مرد کو یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ وہ اپنی بیوی کی جان لے سکتا تھا،طوائف بازی اور عریانیت اس معاشرے میں عام تھی۔

مصری تہذیب:

یہ تہذیب عورت کو مجسم برائی سمجھتی اور اُسے شیطنت کو علامت گردانتی تھی۔

اسلام سے پہلے عرب کی تہذیب:

عرب میں اسلام آنے سے پہلے عورت کو بہت حقیر سمجھا جاتا تھا اور جب لڑکی پیدا ہوتی تو اُسے بالعموم زندہ دفن کر دیا جاتا۔

اسلام نے عورت کو مساوی درجہ دیا:

اسلام نے عورت کو برابری کا درجہ دیا۔اس کے حقوق کا تعین 1400 سال پہلے کر دیا اور وہ توقع کرتا ہے کہ عورت اپنا یہ درجہ برقرار رکھے۔

مردوں کا حجاب:

لوگ عام طور پر "حجاب" کو عورتوں کو تناظر میں زیر بحث لاتے ہیں لیکن قرآن عظیم میں اللہ تعالی مردوں کے حجاب کو عورتوں کے حجاب سے پہلے بیان کرتا ہے۔ سورۃ نور میں بیان کیا گیا ہے:

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (۳۰)

"اور ایمان والوں سے کہ دیجیئے کہ وہ اپنی نگاہوں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کیلئے پاکیزگی کی بات ہے، اور اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے۔ جو کام تم کرتے ہو۔

)سورۃ النور 24 آیت 30)

لہذا جب ایک مرد کی نگاہ کسی غیر محرم خاتون پر پڑے تو اسے اپنی نظر جھکا لینی چاہیئے۔

سورۃ النور کی اگلی آیت میں ہے:

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۳۱)

"اور ایمان والی عورتوں سے کہ دیجیئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے سنگھار کی نمائش نہ کریں۔ سوائے اس کے کہ جو)از خود) ظاہر ہو۔ اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں ڈالے رکھیں اور اپنے سنگھار کی نمائش نہ کریں۔ مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے شوروں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹیوں پر یا اپنے شوہروں کے)سوتیلے) بیٹیوں پر، اپنے بھائیروں پر یا اپنے

بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی) مسلمان) عورتوں پر یا اپنے دائیں ہاتھ کی ملکیت) کنیزوں) پر یا عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے نوکر چاکر مردوں پر یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی چھپی باتوں سے واقف نہ ہوں۔

)سورۃ النور 24 آیت 31(

حجاب کا معیار:

قرآن و سنت کے مطابق پردے کے لیے چھ بنیادی معیار ہیں:-

پہلا معیار یہ ہے کہ جسم کو مکمل طور پر ڈھانپنا چاہیئے۔ یہ عورتوں اور مردوں کے لیئے مختلف ہے۔ مرد کے لیئے یہ معیار ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے جبکہ عورتوں کے لیئے تما جسم کا ڈھانپنا لازم ہے سوائے چہرے اور کلائی تک ہاتھوں کے، اور اگر ان کی خواہش ہو تو جسم کے ان حصوں کو بھی ڈھانپ سکتی ہیں۔ بعض علمائے کرام کے نزدیک ہاتھ اور چہرہ بھی لازمی پردے میں شامل ہیں۔) اور یہی بات راجح (۔

علاوہ ازیں مردوں اور عورتوں کے لیئے حجاب کے پانچ یکساں معیار ہیں:-

1) کپڑے جو پہنے جائیں وہ ڈھیلے ڈھالے ہوں جو جسمانی اعضاء کو نمایاں نہ کریں۔

2) کپڑے اتنے باریک نہ ہوں کہ ان میں سے سب کچھ نظر آئے یا آسانی سے دیکھا جاسکے۔

3) لباس اتنا شوخ نہ ہو جو جنسِ مخالت کے مشابہ ہو) یعنی عورتیں مردوں جیسے کپڑے نہ پہنیں اور مردوں کو چاہیئے کہ عورتوں جیسا لباس نہ پہنیں(۔

4) لباس غیر مسلموں کے لباس سے مشابہ نہ ہو، یعنی ایسا لباس نہ پہنیں جو غیر مسلموں کی مذہبی شناخت اور مخصوس علامت ہو۔

5) حجاب میں اخلاق اور شخصی طرز عمل بھی شامل ہیں۔

مکمل حجاب میں ان چھ بینادی معیاروں کے علاوہ اخلاقی کردار، سماجی رویے، وضع قطع اور شخصی ارادے کا بھی دخل ہے۔ حجاب کو صرف لباس کے معیار کی حد تک سمجھنا محدود سوچ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آنکھوں، دِل، سوچ اور ارادے اور نیت کا حجاب بھی ضروری ہے۔ اس میں انسان کے چلنے کا طریقہ، گفتگو کا سلیقہ اور رویے کا اظہار بھی شامل ہے۔

حفاظتی حصار:

حجاب چھیڑ چھاڑ سے بچاتا ہے، آخر عورت کے لیئے پردے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اس کی وجہ سورۃ الاحزاب میں بیان کی گئی ہے۔ اِرشاد باری تعالی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (٥٩)

"اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہ دیجیئے کہ وہ) گھر سے باہر) اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو گرالیا کریں۔ یہ) بات) ان کے لیئے قریب تر ہے کہ وہ) حیادار مومنات کے طور پر) پہچانی جا سکیں اور انہیں ایذا نہ دی جائے) کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کر سکے) اور اللہ بہت معاف کرنے والا اور نہایت مہربان ہے"

)سورۃ الاحزاب 33 آیت 59(

قرآن سے واضح ہے کہ عورتوں کو پردے کا حکم اس لیئے دیا گیا ہے کہ وہ باحیا عورتوں کی حیثیت سے پہچانی جائیں اور مردوں کی شرارتوں اور چھیڑ خانیوں سے محفوظ رہیں۔

مغرب میں عورت کا استحصال:

مغربی تہذیب عورت کی جس آزادی اور آزاد خیالی کی بلند آہنگ وکالت کرتی ہے وہ اس کے جسمانی استحصال، اس کی روحانی تحقیر اور اس کی عزت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں، مغربی تہذیب عورت کا درجہ بلند کرنے کا بڑا چرچا کرتی ہے لیکن حقیقت اس کے

برعکس ہے، واقعہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب نے عورت کی عزت کو پامال کر دیا ہے۔ اُسے عورت کے شرف و منزلت سے گرادیا ہے، اُسے داشتہ اور محبوبہ بنادیا ہے۔ مغربی تہذیب میں عورت، عورت نہیں ہے۔ رنگین تتلی ہے، حصول لذت کا کھلونا ہے، مغرب نے عورت کو نیلام کامال بنادیا ہے، نام نہاد "فن" اور "ثقافت" کی آڑ میں عورت کا شرمناک استحصال کیا جارہا ہے۔

امریکہ میں ریپ:

امریکہ کو دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے لیکن دنیا بھر میں عورتوں کی سب سے زیادہ آبروریزی بھی وہیں ہوتی ہے۔ ایف بی آئی کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں صرف 1990ء میں روزانہ عصمت دری کے اوسطاً 1756 مقدمات درج ہوئے۔ بعد کی ایک اور رپورٹ کے مطابق امریکہ میں روزانہ تقریباً 1900 کی اوسط سے عصمت دری کے واقعات پیش آئے۔ سال نہیں بتایا گیا۔ ہوسکتا ہے 1992ء یا 1993ء ہو، مزید برآں ہوسکتا ہے اس کے بعد امریکی جبری بدکاریوں میں اور زیادہ نڈر ہو گئے ہوں۔ ذرا چشم تصور سے دیکھیئے:

میں آپ کے سامنے امریکہ کا ایک منظر پیش کرتا ہوں جہاں مسلم خاندانوں میں پردہ کیا جاتا ہے۔ جب بھی کوئی آدمی کسی عورت کو پردے میں یا اسلامی حجاب میں بُری نگاہ سے دیکھتا ہے یا کوئی شرمناک خیال اُس کے ذہن میں آتا ہے تو وہ اپنی نگاہ نیچی کرلیتا ہے۔ ہر عورت اسلامی حجاب پہنتی ہے جس میں اس کا تمام جسم ڈھکا ہوا ہے سوائے چہرے اور کلائی تک ہاتھوں کے، اس کے بعد اگر کوئی زنا بالجبر کرتا ہے تو اُسے سزائے موت دی جاتی ہے۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس پس منظر میں امریکہ میں عصمت دری کے واقعات بڑھیں گے، اسی طرح رہیں گے، یا کم ہوجائیں گے۔

اسلامی شریعت کا نفاذ:

فطری طور پر اسلامی شریعت کا نفاذ ہوتے ہی مثبت نتائج ناگزیر ہوں گے۔ اگر دنیا کے کسی بھی ملک میں چاہے وہ امریکہ ہو یا یورپ، اسلامی قوانین کا نفاذ کیا جائے تو معاشرہ

سکون کا سانس لے گا۔اسلامی حجاب عورت کا مرتبہ کم نہیں کرتا بلکہ اونچا کرتا ہے اور اس کی حیاداری اور پاکدامنی کی حفاظت کا ضامن ہے۔

اعتراضات کے جوابات۔اعتراض 14

قرآن میں آسمانوں کا کیا مطلب ہے؟

"قرآن متعدد بار آسمانوں کا زکر کرتا ہے جبکہ سائنس کے مطابق سات آسمان موجود نہیں"

السّمآء کا لفظ سَما یَسْمُو سے ہے، جس کے معنی بلندی کے ہیں۔لغتِ عرب میں ہے: ''سماءُ کلِ شیٍٔ اعلاہ''(کسی بھی چیز کے اُوپر جو کچھ ہے وہ اُس چیز کا سمآء ہے)۔چنانچہ لُغوِی اِعتبار سے لفظِ 'سما' کا اِطلاق کرۂ ارض کے گرداگرد موجود تمام کائنات پر ہوتا ہے اور زمین کے علاوہ تمام کائنات اور آجرامِ سماوِی عالمِ سماوات میں شامل ہیں۔

لُغتِ عرب میں لفظِ سماء کے معانی کی وُسعت کے پیشِ نظر قرآنِ مجید میں بھی اللہ ربّ العزت نے اِس لفظ کا اِستعمال متعدّد معانی میں کیا ہے۔ کہیں اِس سے مراد بادل ہیں تو کہیں بارش۔۔۔ کہیں اِس کا اِستعمال کرۂ ہوائی کے معنی میں ہوا ہے تو کہیں بالائی کائنات کے معنی میں۔۔۔الغرض کرۂ ارضی کی فضائے بسیط سے لے کر عالمِ طبیعی کی آخری حدوں تک وسیع و عریض کائنات کے تمام گوشوں پر لفظِ سماء کا اِطلاق ہوتا ہے۔قرآنِ مجید میں جن مقامات پر یہ لفظ اِستعمال ہوا ہے وہاں سیاقِ کلام اُس کا مفہوم واضح کرتا ہے اور ہم آیات کے تسلسل پر غور و فکر کے بعد ہی اُس کے حقیقی معانی اور اللہ ربُّ العزت کی غایتِ کلام تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

قرآن مجید میں سماء اور سمٰوٰت کا لفظ 310 مرتبہ آیا ہے جن میں سے بیشتر مقامات پر اُس کا اِطلاق لغتِ اُردو میں استعمال ہونے والے لفظ 'آسمان' کی بجائے بارِش، بادل اور سماوِی

طبقات وغیرہ پر ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں لفظ سماء کا سب سے پہلا استعمال بادل کے معنی میں ہوا ہے۔

اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ.

(البقرہ، 19 : 2)

یا اُن کی مثال بادل سے برسنے والی بارش کی سی ہے، جس میں اندھیریاں ہیں اور گرج اور چمک (بھی) ہے۔

کسی مخصوص خطۂ ارضی کو اپنے دامن میں لپیٹ لینے والی کالی گھٹاؤں سے جب موسمِ گرما کی دوپہریں بھی نصف شب کا منظر پیش کرنے لگتی ہیں تو اُن بادلوں سے پیدا ہونے والی گرج اور چمک سے لوگوں میں بارش کی خوشی کے باوُجود بجلی کا ڈر پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی موقع کی منظر نگاری قرآنِ مجید میں اِس مقام پر کی گئی ہے۔ جب لوگ موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ آیتِ کریمہ میں قرآنِ مجید میں وارِد ہونے والا لفظِ 'سماء' اُردو کے معروف لفظ 'آسمان' کی بجائے 'بادل' کے معنی میں اِستعمال ہوا ہے۔

لفظِ 'سماء' کے مختلف قرآنی معانی پر غور و فکر کرنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ 'سماء' کا معنی ہر جگہ ایسے ٹھوس غلاف نہیں ہیں جنہوں نے اربوں کھربوں نوری سال کی مسافتوں میں بکھری کہکشاؤں کے گروہوں (clusters) کو اپنے دامن میں لپیٹ رکھا ہے اور وہ تمام مادّی عالم کو محیط ہیں۔ بلکہ قرآنِ مجید لغتِ عرب کی وُسعت کے پیشِ نظر اِس لفظ کا اِستعمال جابجا اور بھی بہت سے معانی کے لئے کرتا ہے۔

قرآنی لفظ سماء کے معانی

قرآنِ مجید میں لفظ 'سماء' مروّجہ سات آسمانوں کے علاوہ اِن معانی کے لئے بھی اِستعمال ہوا ہے:

بادل
کرۂ ہوائی
بادلوں کی فضا
گھر کی چھت
بارش
سماوِی کائنات
1۔ بادل

قرآنِ مجید میں بہت سے مواقع پر لفظ سماء بادلوں کے معنی میں اِستعمال ہوا ہے۔ بارِش بادلوں سے برستی ہے، جو ہماری زمین ہی کی فضا میں معلّق ہوتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں جہاں کہیں بارِش کا ذِکر آیا ہے وہاں لفظ سماء کا اِستعمال بارِش ہی کے معنی میں ہوا ہے۔

سورۂ حجر میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَرۡسَلۡنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً.

(الحجر، 22 : 15)

اور ہم ہواؤں کو بادلوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے بھیجتے ہیں، پھر ہم بادلوں سے پانی اُتارتے ہیں۔

اِس آیتِ مبارکہ میں پانی سے بھرے بادلوں کو 'سماء' کہا گیا ہے، جن سے پانی برسا کر اللہ ربُّ العزت پیاسی زمینوں کو سیراب فرماتا ہے۔ وہ تمام آیات جن میں ''یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً'' (آسمان سے پانی (بارِش) اُتارتا ہے) کا بیان آیا ہے وہاں سماء سے مراد بارش ہی ہو گی۔

2۔ بادلوں کی فضا

بادل کے علاوہ بعض مقامات پر لفظ سماء کا ذِکر کرۂ ہوائی کی اُن مخصوص تہوں کے لئے بھی ہوا ہے جن میں بادل تیرتے رہتے ہیں۔

سورۂ نور میں اللہ ربّ العزت نے فرمایا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ.

(النور، 43 : 24)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادل کو (پہلے) آہستہ آہستہ چلاتا ہے، پھر اُس (کے مختلف ٹکڑوں) کو آپس میں ملا دیتا ہے، پھر اُسے تہ بہ تہ بنا دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ اُس کے درمیان خالی جگہوں سے بارش نکل کر برستی ہے۔ اور وہ اُسی فضا سے برفانی پہاڑوں کی طرح (دِکھائی دینے والے) بادلوں میں سے اولے برساتا ہے۔

سورۂ نور کی اِس آیتِ کریمہ میں لفظِ 'سماء' کا اِستعمال زمین کے کرۂ ہوائی (atmosphere) کی اُن تہوں کے لئے ہوا ہے جن میں بادل معلّق ہوتے ہیں۔ نیز بادلوں کی بناوٹ اور اُن کی مختلف تہوں کا ذِکر بھی کیا گیا ہے، جو سمندروں سے چل کر خشکی پر برستے ہیں اور زمینی حیات کی سیرابی کا باعث بنتے ہیں۔ اِس آیتِ کریمہ میں يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ کے الفاظ میں واضح طور پر بادلوں کی فضا کو سماء کہا گیا ہے۔ یہ اور اِس قبیل کی دُوسری بہت سی آیات جملہ اہلِ ایمان کو حصولِ علمِ موسمیات (meteorology) کی ترغیب دیتی دِکھائی دیتی ہیں۔

لفظِ سماء کا بادلوں کی فضا کے معنی میں ایک اور مقام پر یوں اِستعمال ہوا ہے:

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ.

(الروم، 48 : 30)

اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادلوں کو اُٹھاتی ہیں، پھر وہ جس طرح چاہتا ہے اُسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے۔

3۔ بارِش

بارِش چونکہ بادلوں سے ہی پیدا ہوتی ہے اِس لئے بادل اور بادلوں کی فضا کے علاوہ کبھی لفظِ سمآء کا اِستعمال براہِ راست بارِش ہی کے معنی میں بھی ہوا ہے۔

اِرشاد فرمایا گیا:

وَ اَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا وَ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ.

(انعام، 6 : 6)

اور ہم نے اُن پر لگاتار برسنے والی بارِش بھیجی اور ہم نے اُن (کے مکانات و محلّات) کے نیچے سے نہریں بہائیں۔

اِس آیتِ کریمہ میں بارِش کو سمآء کہا گیا ہے۔ یہاں سمآء کے مروّجہ معنی 'آسمان' کسی صورت میں بھی مراد نہیں لئے جا سکتے کیونکہ آسمان تو کبھی نہیں برستا، ہمیشہ بارِش ہی برستی ہے۔ اِس آیت میں اُوپر سے برسنے والی بارِش اور زمین کے اندر بہنے والی نہروں کا متوازی ذِکر کیا گیا ہے۔

ایک اور آیتِ مبارکہ میں یہی مضمون اِس انداز میں وارِد ہوا ہے:

یُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا.

(ھود، 52 : 11)

وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا۔

اِس آیتِ کریمہ میں بھی بارش کو سماء کہا گیا ہے۔

4۔ کرۂ ہوائی

قرآنِ مجید میں لفظِ سماء کا اِستعمال زمین کے گرد لپٹے کرۂ ہوائی کے لئے بھی ہوا ہے۔ پرندے زمین کی فضا میں اُس کی سطح سے کچھ بلندی پر اُڑتے ہیں، زمینی فضا کی وہ بلندی جہاں پرندوں کی عام پرواز ہوتی ہے قرآنِ مجید میں اُسے بھی سماء کہا گیا ہے۔

اِرشادِ ربانی ہے:

أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ.

(النحل، 79 : 16)

کیا اُنہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان کی ہوا میں (قانونِ حرکت و پرواز کے) پابند (ہو کر اُڑتے رہتے) ہیں۔ اُنہیں اللہ کے (قانون کے) سوا کوئی چیز تھامے ہوئے نہیں ہے۔

اِس آیتِ مبارکہ میں فضا یا کرۂ ہوائی کو سماء کہا گیا ہے، جہاں پرندے اُڑتے ہیں۔

5۔ گھر کی چھت

سورۂ حج میں ایک مقام پر مطلق بلندی اور گھر کی چھت کے معنی میں بھی لفظِ سماء کا اِستعمال ہوا ہے:

اِرشادِ ربِّ جلیل ہے:

فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ.

(الحج،15 : 22)

اُسے چاہیئے کہ (گھر کی) چھت سے ایک رسی باندھ کر لٹک جائے۔

اِس آیتِ کریمہ میں تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نیک گمان نہ رکھنے والے منافقوں کو یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ اپنے گھر کی چھت سے رسا باندھ کر اُس سے لٹک جائیں اور خودکشی کر لیں۔ یہاں گھر کی چھت کے لئے سمآء کا لفظ اِستعمال کیا گیا ہے۔

6۔ سماوِی کائنات

لفظِ سمآء کو اللہ ربّ العزت نے اپنے کلامِ مجید میں کروڑوں اربوں نوری سال کی مسافت میں بکھری ناقابلِ احصاء و شمار کہکشاؤں کے سلسلوں پر مشتمل تمام کائنات کے لئے بھی اِستعمال کیا ہے۔ تخلیقِ کائنات کے وقت ہر طرف جو دُخانی کیفیت (gaseous state) موجود تھی، اُس کا ذِکر کرتے ہوئے فرمایا:

ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ... فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ.

(فصلت، 11 : 41، 12)

پھر وہ (اللہ) آسمان کی طرف متوجہ ہوا کہ وہ (اُس وقت) دُھواں (سا) تھا۔۔۔ پھر اُنہیں سات آسمان بنا دیا۔

اِس آیتِ مبارکہ میں 'بالائی کائنات' کو سمآء کہا گیا ہے۔ توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ اِس مقام پر بات اُس وقت کی ہو رہی ہے جب ابھی سبع سماوات نہیں بنے تھے۔ گویا یہاں جس شے کو سمآء کہا گیا ہے وہ سبع سماوات کی تخلیق سے پہلے بھی موجود تھی۔ گویا جس حالت سے سات آسمانوں کی تخلیق عمل میں آئی اُسے بھی قرآن نے سمآء سے تعبیر کیا ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ ربّ العزت نے لفظِ سمآء کو جملہ سماوِی کائنات کے معنی میں اِستعمال کرتے ہوئے فرمایا:

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا O

(الفرقان، 61 : 25)

وُہی بڑی برکت و عظمت والا ہے جس نے آسمانی کائنات میں (کہکشاؤں کی شکل میں) سماوِی کروں کی وسیع منزلیں بنائیں اور اُس میں (سورج کو روشنی اور تپش دینے والا) چراغ بنایا اور (اُسی کی ضوء سے) چمکنے والا چاند بنایا O

قرآنِ مجید سے آسمان کی حقیقت و ماہیت کے بارے میں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ یہ کوئی ایسا ٹھوس اور جامد جسم نہیں جس کے آر پار جانا ممکن نہ ہو۔ جیسا کہ قدیم فلاسفہ کا خیال تھا اور اُن کے زیرِ اثر ہمارے بعض علماء نے بھی یہی تصور کر لیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ... فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَى فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ.

(حم السجدہ، 41 : 11 - 12)

پھر وہ (اللہ) آسمان کی طرف متوجہ ہوا کہ وہ (اُس وقت) دُھواں (سا) تھا۔۔۔ پھر ان اوپر کے طبقات کو دو وادوار میں مکمل سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اسی سے متعلق احکام بھیجے اور ہم نے سب سے نچلے آسمان کو ستاروں سے آراستہ کیا۔

اِن آیاتِ کریمہ اور ان کے سیاق و سباق سے درج ذیل اُمور سامنے آتے ہیں:

1۔عالمِ سماء ابتداءً دُھواں(cloud of hot gases)تھا۔

2۔اِس عالمِ سماء کو سات محکم طبقات میں تقسیم کیا گیا، جیسا کہ اِرشادِ اِلٰہی ہے:

الذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰاتٍ طِبَاقًا.

(الملک، 67 : 3)

(بابرکت ہے وہ اللہ) جس نے سات آسمانی طبقات اُوپر تلے بنائے۔

سات کا عدد خاص بھی ہو سکتا ہے اور لُغتِ عرب کے قاعدے کے مطابق اِس سے محض عددی کثرت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

3۔تمام ستارے اور سیارے مثلاً چاند، سورج اور دِیگر اَجرامِ فلکی جو عالمِ اَفلاک میں چراغوں کی مانند چمک رہے ہیں، پہلے طبقۂ آسمانی میں موجود ہیں۔اُن کا مدار آسمانِ دُنیا کے نیچے ہی ہے۔کوئی ستارہ یا سیارہ پہلے آسمان سے اُوپر نہیں۔یہ تمام سیارگانِ فلکی باری تعالیٰ کے حکم اور اُس کی تدبیر کے مطابق محوِ گردش ہیں۔جیسا کہ اِرشاد ہے:

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ.

(الاعراف، 7 : 54)

اور سورج چاند اور ستارے (سب) اُسی کے حکم (سے ایک نظام) کے پابند بنا دیئے گئے ہیں۔

اِسی طرح ایک اور مقام پر اِرشاد فرمایا:

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ O

(الانبیاء،21 : 33)

تمام (آسمانی کرّے) اپنے اپنے مدار کے اندر تیزی سے تیرتے چلے جاتے ہیںo

4۔ کائنات کی حدُود اِس نوعیت کی نہیں ہیں کہ اُنہیں چُھوا نہ جا سکے یا اُن کے آر پار آنا جانا ناممکن ہو۔ قرآن و حدیث سے یہ اَمر ہرگز ثابت نہیں کہ اِنسان آسمانوں کے پار نہیں جا سکتا، بلکہ اِس کا عقلی و شرعی اِمکان خود قرآن سے یوں ثابت ہے۔

اللہ ربُّ العزت نے جنوں کے ساتھ اِنسانوں کو بھی مخاطب کیا اور فرمایا:

یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنفُذُوا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانفُذُوا لَا تَنفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍO

(الرحمن،55 : 33)

اے گروہِ جن و اِنسان! اگر تم میں سماوِی کائنات کی قطاروں اور زمین (کی حدود) سے باہر نکلنے کی اِستطاعت رکھتے ہو تو (ضرور) نکل دیکھو، طاقت (وصلاحیّت) کے بغیر تم (یقینا) نہیں نکل سکتےo

اِسی آیتِ کریمہ کے مفہوم کا ایک مفاد یہ ہے کہ انسان زمین و آسمان کے کناروں سے تو باہر نکل سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کی حدُود سے نہیں نکل سکتا۔ سائنس تخلیقِ سماوِی کے باب میں بھی قرآن کے اَحکامات کی تصدیق کرتی ہے۔

لفظِ سماء کے مختلف قرآنی اِستعمالات کے بعد اَب ہم سات آسمانوں سے متعلق کچھ جدید سائنسی نظریات پیش کرتے ہیں تاکہ قرآنی بیانات کی صحت و صداقت جدید ذِہن پر آشکار ہو سکے اور وہ اُس کے کلامِ الٰہی ہونے پر یقینِ کامل پا سکے۔

سات آسمانوں کی سائنسی تعبیر

قرآنِ مجید سات آسمانوں کی موجودگی اور اُن کے مابین ہم آہنگی کا تصوّر پیش کرتا ہے۔ یہی بات اِن آیات میں واضح کی گئی ہے:

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا.

(الملک، 3 : 67)

(بابرکت ہے وہ اللہ) جس نے سات (یا متعدّد) آسمانی کرّے باہمی مطابقت کے ساتھ (طبق دَر طبق) پیدا فرمائے۔

ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ O

(البقرہ، 29 : 2)

پھر وہ (کائنات کے) بالائی حصوں کی طرف متوجہ ہوا تو اُس نے اُنہیں درُست کر کے اُن کے سات آسمانی طبقات بنا دیئے، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے O

أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا O

(نوح، 15 : 71)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کس طرح سات آسمانی طبقات اُوپر تلے پیدا کر رکھے ہیں O

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ O

(المؤمنون، 17 : 23)

اور بیشک ہم نے تمہارے اُوپر (کرّۂ ارضی کے گرد فضائے بسیط میں نظامِ کائنات کی حفاظت کے لئے) سات راستے (یعنی سات مِقناطیسی پٹیاں یا میدان) بنائے ہیں اور ہم (کائنات کی) تخلیق (اور اُس کی حفاظت کے تقاضوں) سے بے خبر نہ تھے o

اگرچہ سات آسمانوں کے کچھ رُوحانی معانی اور توجیہات بھی بہت سی تفاسیر میں پیش کئے گئے ہیں۔۔۔اور ہم اُن کی تائید کرتے ہیں۔۔۔ مگر اُس کے ساتھ ساتھ طبیعی کائنات، اُس کے خلائی طبقات، اَجرامِ سماوِی اور خلاء اور کائنات سے متعلقہ کچھ سائنسی اور فلکیاتی توضیحات بھی ہمارے علم میں آئی ہیں۔ یہ طبیعی موجودات رُوحانی اور مابعدالطبیعی موجودات کے عینی شواہد بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔اِن دونوں میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں ہے۔

پہلی وضاحت۔۔۔ سات آسمانوں کا کائناتی تصوّر

قرآنِ حکیم نے اپنی بہت سی آیات میں سات آسمانوں کا ذِکر کیا ہے۔ گزشتہ 200 سال سے کائنات سے متعلق ہونے والی انتھک تحقیقات کے باوُجود ہم ابھی اِس بارے میں سائنسی بنیادوں پر حتمی معلومات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ صرف حالیہ چند عشروں (decades) میں فلکی طبیعیات کے سلسلے میں چند اِنتہائی دِلچسپ دریافتیں ہوئی ہیں اور اُن سے معجزۂ قرآن کی حقانیت ثابت ہو گئی ہے۔ سائنسی تحقیقات کے ذریعے اِنسان نے جو کچھ بھی دریافت کیا ہے وہ سمندر میں سے فقط ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن پھر بھی اُس نے کم از کم اپنی پچھلی دو صدیوں کی خطاؤں کو تسلیم کرنا شروع کر دِیا ہے۔

ترکی کے نامور محقّق ڈاکٹر ہلوک نور باقی کے مطابق کائنات متنوّع مقناطیسی تہوں کی عکاسی کرتی ہے۔ پہلی اور مرکزی تہ بے شمار ستاروں سے بننے والی کہکشاؤں اور اُن کے گروہوں پر مشتمل ہے۔ اُس کے اُوپر واقع دُوسری تہ بہت سی مِقناطیسی خصوصیات کی حامل ہے، جو قواسرز (quasars) پر مشتمل ہے، جنہیں ہم ستاروں کے بیج بھی کہہ سکتے ہیں۔ قواسرز کائنات کے قدیم ترین اَجرام ہیں جو بہت زیادہ ریڈ شفٹ چھوڑتے ہیں۔ اُس کے گرد تیسری مِقناطیسی پٹی ہے جو کائنات کے سفلی مقامات کو اپنے حلقے میں لئے ہوئے ہے۔

سب سے اندرونی دائرہ اور خاص طور پر ہمارا اپنا نظامِ شمسی اپنے تمام سیاروں کے خاندان سمیت ہمارے لئے زمین پر رہتے ہوئے سب سے آسان قابلِ مشاہدہ علاقہ ہے۔ اس نظام کی اندرونی ساخت تین الگ الگ مِقناطیسی میدانوں پر مشتمل ہے۔

سب سے پہلے تو ہر سیارہ ایک مِقناطیسی میدان کا مالک ہے، جو اُس سیارے سے اِرد گرد واقع ہوتا ہے۔ پھر اُس کے بعد نظامِ شمسی کے اِمتزاج سے تمام سیارے ایک دُوسری مقناطیسی پٹی تشکیل دیتے ہیں۔ مزید برآں ہر نظامِ شمسی اپنی کہکشاں کے ساتھ ایک الگ وسیع و عریض مِقناطیسی علاقے کی بنیاد رکھتا ہے۔ واضح رہے کہ کم از کم ایک کھرب ستارے یا سورج تو صرف ہماری کہکشاں (Milky Way) میں شامل ہیں۔ مزید اعلیٰ سطح پر آس پاس واقع کہکشائیں کلسٹرز (کہکشاؤں کے گروہ) کے ایک اور مِقناطیسی میدان کا باعث بن جاتی ہیں۔ تبھی تو جب ہم زمین سے آسمان کی طرف نظر کرتے ہیں تو سات ایسی مِقناطیسی پٹیوں میں گھِرے ہوئے ہوتے ہیں جو خلاء کی بیکرانی میں پسپائی اِختیار کر چکی ہوں۔ اگر ہم زمین سے کائنات کی وُسعتوں کی طرف نظر دَوڑائیں تو سات آسمان اِس ترتیب سے واقع ہیں:

پہلا آسمان: وہ خلائی میدان، جس کی بنیاد ہم اپنے نظامِ شمسی کے ساتھ مل کر رکھتے ہیں۔
دُوسرا آسمان: ہماری کہکشاں کا خلائی میدان ہے۔ یہ وہ مِقناطیسی میدان ہے جسے ملکی وے کا مرکز تشکیل دیتا ہے۔
تیسرا آسمان: ہمارے مقامی کلسٹر (کہکشاؤں کے گروہ) کا خلائی میدان ہے۔
چوتھا آسمان: کائنات کا مرکزی مِقناطیسی میدان ہے، جو کہکشاؤں کے تمام گروہوں کے مجموعے سے تشکیل پاتا ہے۔
پانچواں آسمان: اُس کائناتی پٹی پر مشتمل ہے جو قواسرز (quasars) بناتے ہیں۔
چھٹا آسمان: پھیلتی ہوئی کائنات کا میدان ہے، جسے رِجعتِ قہقری کی حامل (پیچھے ہٹتی ہوئی) کہکشائیں بناتی ہیں۔
ساتواں آسمان: سب سے بیرونی میدان ہے، جو کہکشاؤں کی لامحدود بیکرانی سے تشکیل پاتا ہے۔

اِن سات تہ در تہ آسمانوں کا ذِکر قرآنِ مجید نے آج سے 14 صدیاں پہلے واشگاف انداز میں کر دِیا تھا۔ (سات آسمانوں سے متعلقہ آیاتِ مبارکہ سابقہ صفحات میں گزر چکی ہیں)۔

دُوسری وضاحت۔۔۔ سات فلکیاتی تہیں

سات آسمانوں کے تصوّر کو ذرا واضح انداز میں سمجھنے کے لئے ہم فلکی طبیعیات سے متعلقہ چند مزید معلومات کا مختصر ذِکر کریں گے۔ ہمیں یہ بات ذہن نشین رکھنا ہو گی کہ مذکورہ بالا آسمانی تہوں کے درمیان ناقابلِ تصوّر فاصلے حائل ہیں۔

پہلی آسمانی تہ۔۔۔ کم و بیش 65 کھرب کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہے۔
دُوسری آسمانی تہ۔۔۔ جو ہماری کہکشاں کا قطر بھی ہے۔۔۔ ایک لاکھ 30 ہزار نوری سال وسیع ہے۔
تیسری آسمانی تہ۔۔۔ جو ہمارا مقامی کلسٹر ہے۔۔۔ 20 لاکھ نوری سال کی حدُود میں پھیلی ہوئی ہے۔
چوتھی آسمانی تہ۔۔۔ جو کہکشاؤں کے تمام گروہوں کا مجموعہ ہے، اور کائنات کا مرکز تشکیل دیتی ہے۔۔۔ 10 کروڑ نوری سال قطر پر محیط ہے۔
پانچویں آسمانی تہ۔۔۔ ایک ارب نوری سال کی مسافت پر واقع ہے۔
چھٹی آسمانی تہ۔۔۔ 20 ارب نوری سال دُور ہے۔
ساتویں آسمانی تہ۔۔۔ اُس سے بھی کئی گنا آگے ہے، جس کا اندازہ کرنا محال ہے۔
ایک آسمان سے دُوسرے آسمان تک کا جسمانی سفر ناممکن ہے، جس کا پہلا سبب روشنی سے کئی گنا زیادہ بے تحاشا رفتار کا عدم حصول ہے اور اُس کا دُوسرا سبب کائنات میں ہر سُو بکھری مِقناطیسی قوّتوں پر نوعِ اِنسانی کا حاوِی نہ ہو سکنا ہے۔ ان آسمانوں کی حدُود سے گزرنے کے لئے ضروری ہے کہ روشنی سے زیادہ رفتار حاصل کی جائے، روشنی کی رفتار کا حصول چونکہ مادّی اَجسام کے لئے قطعاً ناممکن ہے اِس لئے اِس کا دُوسرا مطلب یہ ہوا کہ 'مادّے کی دُنیا سے نجات' حاصل کی جائے۔ ایسا عظیم سفر مادّی اَجسام سے تو ممکن نہیں البتہ رُوح اپنے اِرتقائی مراحل سے گزرنے کے بعد ایسا کرنے پر قادِر ہو سکتی ہے۔

تیسری وضاحت۔۔۔لا متناہی اَبعاد

سات آسمانوں کے بارے میں لا متناہی اَبعاد کا تصوّر بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔
مختلف آسمانوں میں موجود عالمِ مکاں مختلف اَبعاد کا حامل ہوتا ہے۔اِس لحاظ سے
سات آسمانوں کا تصوّر سات جداجدا خلائی تسلسلوں کے تصوّر کو بھی شامل ہے۔چونکہ ہم ابھی تک
وقت سمیت چار سے زیادہ اَبعاد کو محسوس نہیں کر سکتے لہٰذا ہمارے لئے فی الحال اِن لا متناہی اَبعاد کو کاملاً
سمجھ سکنا ممکن نہیں۔

اعتراضات کے جوابات۔اعتراض 15

کیا تنسیخ آیات غلطی کی اصلاح ہے؟

"مسلمان تنسیخ آیات کے تصور پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بعض ابتدائی آیات قرآنی
کو بعد میں اترنے والی آیات کے ذریعے سے منسوخ کر دیا گیا تھا، کیا اس سے یہ مطلب اخذ کیا
جا سکتا ہے کہ)نعوذ باللہ)اللہ نے ایک غلطی کی اور بعد ازاں اس کی تصحیح کرلی؟"

قرآن مجید اس مسئلے کو حسبِ ذیل آیت میں بیان کرتا ہے:

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ آيَةٍ أَوۡ نُنۡسِهَا نَأۡتِ بِخَيۡرٍ مِنۡهَا أَوۡ مِثۡلِهَا أَلَمۡ تَعۡلَمۡ أَنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيرٌ (١٠٦)

"ہم جو کوئی آیت منسوخ کرتے یا اسے بھُلوا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی (آیت) لے آتے
ہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

(سورۃ البقرہ 2 آیت 106)

سورہء النحل کی آیت نمبر 16 میں بھی اس کی طرف اشادہ کیا گیا ہے۔

عربی لفظ "آیت" کا لغوی مطلب علامت، مصرع یا جملہ ہے اور اس سے مراد وحی بھی ہے، قرآن کی اس آیت کی تعبیر دو مختلف طریقوں سے کی جا سکتی ہے:

وہ آیات جو منسوخ کر دی گئیں ان سے مراد یا تو وہ وحی ہے جو قرآن سے پہلے نازل کی گئی۔

مثلاً:

تورار، زبور اور انجیل کی اصل وحی کی شکل میں اور مذکورہ بالا آیت کا مطلب ہو گا کہ وہ سابقہ کلامِ وحی کو فراموش نہیں ہونے دیتا بلکہ اسے بہتر یا یکساں کلام سے تبدیل کر دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تورات، زبور اور انجیل کی جگہ قرآن مجید نے لے لی ہے۔

اگر ہم مذکورہ بالا قرآنی آیت میں عربی لفظ "آیت" سے مراد آیات قرآنی لیں اور سابقہ کتب وحی نہ لیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ کوئی آیت قرآنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت تک منسوخ نہیں کی گئی جب تک اسے کسی بہتر یا ویسی ہی آیت سے تبدیل نہیں کر دیا گیا۔ میں ان دونوں تعبیرات سے اتفاق کرتا ہوں۔

بعض مسلمان اور اکثر غیر مسلم دوسری تعبیر سے غلط طور پر یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی بعض ابتدائی آیات منسوخ کر دی گئی تھیں اور وہ آج ہم پر لاگو نہیں ہوتیں کیونکہ بعد میں نازل ہونے والی آیات یعنی ناسخ آیات نے ان کی جگہ لے لی۔ یہ گروہ یہ غلط عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ یہ آیت باہم متضاد ہیں، آیئے ایسی چند مثالوں کا جائزہ لیں۔

قرآن کا چیلنج:

بعض مشرکین یہ الزام لگاتے تھے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خود یہ قرآن گھڑ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عربوں کو سورہ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیت میں چیلنج کی:

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (۸۸)

) "اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم(! (کہہ دیجیئے اگر سب انسان اور جن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل بنا لائیں تو وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔"

پھر اس چیلنج کو سورۃ ھود کی حسب ذیل آیت کے ذریعے سے آسان بنا دیا گیا:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (١٣)

"کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے) اپنے پاس سے) یہ (قرآن) گھڑ لیا ہے؟) سوا اے نبی!()) کہہ دیجیئے: پھر لے آؤ تم بھی دس سورتیں ویسی ہی گھڑی ہوئی اور) مدد کیلئے) بلا لو جسے تم بلا سکو اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو۔"

)سورۃ ھود 11 آیت 13)

بعد میں سورۃ یونس کی مندرجہ ذیل آیت میں چیلنج کو آسان تر بنا دیا گیا:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (٣٨)

"کیا وہ) کافر) کہتے ہیں کہ اس) رسول) نے اسے گھڑ لیا ہے؟) اے نبی(!کہہ دیجیئے: تم تو اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ) مدد کے لیے) اللہ کے سوا جن کو بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔"

(سورۃ یونس 10 آیت 38)

آخر کار سورۃ بقرہ میں اللہ تعالی نے اس چیلنج کو مزید آسان بنا دیا اور یہ کہا:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (٢٣) فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (٢٤)

"اور اگر تم اس (کلام) کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا تو تم اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ، اور بلا لاؤ اپنے حمایتیوں کو سوائے اللہ کے، اگر تم سچے ہو، پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو، اور تم کر بھی نہیں سکتے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں) اور جو) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

)سورۃ البقرہ 2 آیات 23 تا 24(

یوں اللہ تعالی نے اپنے چیلنجوں کو انتہائی آسان بنا دیا۔ یکے بعد دیگرے نازل ہونے والی آیات قرآن کے زریعے سے پہلے مشرکوں کو چیلنج دیا گیا کہ وہ قرآن جیسی کوئی کتاب لا کر دکھائیں، پھر ان سے کہا گیا کہ قران کی سوروں جسی دس سورتیں لا کر دکھادو اور آخر میں انہیں چیلنج کیا گیا کہ چلو قرآنی سورتوں سے ملتی جلتی کوئی ایک ہی سورت پیش کر دو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سورۃ بقرہ کی آیات نمبر 23 اور) 24 جو بعد میں نازل ہوئیں) پہلی تین آیات سے متضاد ہیں، تضاد سے مراد ایسی دو چیزوں کا ذکر ہے جو بیک وقت موجود نہیں ہو سکتیں یا آبیک وقت وجود میں نہیں آ سکتیں۔

قران کریم کی پہلی ایات، یعنی منسوخ آیات اب بھی کلام الٰہی ہیں اور ان میں بیان کردہ ہدایت آج بھی عین حق ہے، مثال کے طور پر یہ چیلنج کہ قرآن جیسا کلام لا کر دکھاؤ، آج بھی برقرار ہے، اسی طرح عین قرآن جیسی 10 سورتیں یا ایک سورت پیش کرنے کا چیلنج بھی بدستور قائم ہے اور قرآن کریم سے کسی حد تک ملتی جلتی ایک ہی سورت لانے کا چیلنج بھی برقرار ہے۔ یہ چیلنج سابقہ چیلنجوں کے منافی نہیں لیکن یہ دوسرے چیلنجوں کے مقابلے میں آسان ہے۔ اگر آخری چیلنج کا جواب بھی نہیں دیا جا سکتا تو کسی شخص کیلئے باقی تین مشکل چیلنجوں کا جواب دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فرض کیجیئے میں کسی شخص کے بارے میں یہ کہتا ہوں کہ وہ اتنا کند ذہن ہے کہ وہ سکول میں دسویں جماعت پاس کرنے کے قابل بھی نہیں، بعد ازاں میں کہتا ہوں کہ وہ پانچویں جماعت بھی پاس نہیں کر سکے گا۔ آخر میں میں کہتا ہوں کہ وہ اتنا نالائق ہے کہ کے جی بھی پاس نہیں کر سکے گا جبکہ سکول میں داخلے کے لیے کے جی، یعنی کنڈر گارٹن میں کامیابی لازم ہے، گویا

بالفعل میں یہ کہہ رہا ہوں کہ مذکورہ شخص اتنا کند ذہن ہے کہ وہ کے جی پاس کرنے کے قابل بھی نہیں۔ میرے چاروں بیانات ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے، لیکن میرا چوتھا بیان اس طالب علم کی ذہنی استعداد کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔ اگر کوئی طالب علم کے جی کلاس پاس نہیں کر سکتا تو اس کے لیئے پہلی جماعت، پانچویں جماعت یا دسویں جماعت پاس کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

منشیات کی بتدریج ممانعت:

ایسی آیات کی ایک مثال ان آیات سے دی جا سکتی ہے، جو منشیات کی بتدریج ممانعت سے تعلق رکھتی ہیں۔ منشیات کے بارے میں قرآن میں پہلی وحی سورۃ بقرہ کی اس ایت کی صورت میں نازل ہوئی:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا (٢١٩)

) "اے نبی (ﷺ) ! (وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے: ان دونوں) کے استعمال) میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے، اور ان کا گناہ فائدے سے بہت زیادہ ہے۔"

(سورۃ البقرہ 2 آیت 219)

منشیات کے بارے میں نازل ہونے والی اس سے پہلی آیت سورۃ نساء میں شامل ہے جسے یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا (٤٣)

"اے ایمان والو! تم اس وقت نماز کے قریب بھی نہ جاؤ جب تم نشے میں مست ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو کچھ تم کہتے ہو۔"

)سورۃ النساء 4 آیت 43)

منشیات کے بارے میں نازل ہونے والی آخری آیت سورۃ مائدہ کی حسب ذیل آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (٩٠)

"اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور آستانے اور فال نکالنے کے تیر ناپاک شیطانی عمل ہیں، سو ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ"

(سورۃ المائدہ 5 آیت 90)

قرآن کریم ساڑھے بائیں برس کے عرصے میں نازل ہوا اور معاشرے میں کی جانے والی بیشتر اصلاحات بتدریج نافذ کی گئیں، اس کا مقصد نئے قوانین پر عمل در آمد میں لوگوں کے لیئے آسانیاں پیدا کرنا تھا کیونکہ معاشرے میں اچانک تبدیلی ہمیشہ بغاوت اور افراتفری پر منتج ہوتی ہے۔

منشیات کی ممانعت تین مراحل میں کی گئی، اس سلسلے میں پہلی وحی میں صرف یہ ذکر فرمایا گیا کہ نشہ آور اشیاء کا استعمال بہت بڑا گناہ ہے اور ان میں کچھ فائدہ بھی ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔ اس سے اگلی وحی میں نشے کی حالت میں نماز پڑھنا منع فرما دیا گیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ کسی مسلمان کو دن کے اوقات میں کوئی نشہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ ہر مسلمان پر دن میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرنا فرض کر دیا گیا ہے۔ اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ جب رات کو کوئی شخص نماز ادا نہ کر رہا ہو تو اسے نشہ کرنے کی اجازت ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ چاہے تو نشہ کرے اور چاہے تو نشہ نہ کرے۔ قرآن اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا۔ اگر اس آیت میں یہ کہا گیا ہوتا کہ جب کوئی شخص نماز نہ پڑھ رہا ہو تو شراب پی سکتا ہے، تب یہ بات بلا شبہ مبنی بر تضاد ہوتی۔ اللہ تعالی نے نہایت موضوں الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ آخر مسین سورۃ مائدہ کی آیت نمبر 90 کے ذریعے سے ہمیشہ کے لیے نشہ آور چیزوں کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا کہ تینوں آیات ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ اگر ان میں باہمی تضاد ہوتا تو بیک وقت تینوں آیات پر عمل کرنا ممکن نہ ہوتا۔ چونکہ ہر مسلمان سے قرآن مجید کی ہر آیت کو ماننے کی توقع کی جاتی ہے۔ اس لیے جب وہ سورۃ مائدہ کی آیت نمبر 90 پر، جو آخر میں نازل ہوئی، عمل کرتا ہے تو سابقہ دو آیات سے بھی خود بخود اتفاق اور ان پر عمل درآمد ہو جاتا ہے۔ فرض کیجئے! میں کہتا ہوں کہ میں لاس اینجلس میں نہیں رہتا۔ بعد، میں کہتا ہوں کہ میں کیلیفورنا میں نہیں رہتا، اور آخر میں، میں یہ بیان دیتا ہوں کہ میں ریستہائے متحدہ امریکہ میں نہیں رہتا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ تینوں بیانات باہم متضاد ہیں، حالانکہ ہر بیان پہلے بیان کے مقابلے میں زیادہ معلومات فراہم کرتا ہے، لہذا صرف یہ کہ دینے سے کہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں نہیں رہتا، خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ میں کیلیفورنیا یا لاس اینجلس میں بھی نہیں رہتا، اسی طرح جب شاب کی مکمل ممانعت کر دیگئی تو ظاہر ہے نشے کی حالت میں نماز ادا کرنا بھی ممنوع ٹھہرا اور یہ بات بھی سچ ثابت ہوئی کہ نشہ آور اشیاء کا استعمال بڑا گناہ ہے اور اس میں انسانوں کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔

قرآن مجید میں تضاد نہیں:

تنسیخ آیات کے نظریئے سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن میں تضاد پایا جاتا ہے۔ اس لیئے بیک وقت قرآن کریم کی تمام آیات پر عمل کرنا ممکن ہے۔ اگر قرآن میں تضاد ہوتا تو یہ کلامِ الٰہی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالٰی ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (۸۲)

"کیا پھر وہ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کی بجائے کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا تو وہ اس میں یقیناً بہت اختلاف پاتے۔"

)سورہ النساء 4 آیت 82)

اعتراضات کے جوابات۔اعتراض 16

اگر اسلام ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دیتا ہے تو وہ ایک عورت کو ایک سے زیادہ شوہر رکھنے کی اجازت کیوں نہیں دیتا؟"

بہت سے لوگ جن میں بعض مسلمان بھی شامل ہیں اس امر کی دلیل مانگتے ہیں کہ جب ایک مسلمان مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہے تو یہی "حق" عورت کو کیوں نہیں دیا گیا؟

سب سے پہلے میں یہ کہوں گا کہ اسلامی معاشرے کی بنیاد عدل اور مساوات ہے۔اللہ نے مرد اور عورت کو برابر پیدا کیا لیکن مختلف صلاحیتوں اور ذمہ داریوں کے ساتھ، مرد اور عورت جسمانی اور نفسیاتی طور پر ایکدوسرے سے مختلف ہیں۔اس لیے کہ ان کے کردار اور ذمہ داریاں بھی مختلف ہیں۔مرد اور عورت اسلام میں برابر ہیں لیکن ہو بہو ایک جیسے نہیں۔

سورۃالنساء کی آیات 22 تا 24 میں ان عورتوں کی نشاندہی کی گئی ہے، جن سے مسلمان مرد شادیاں نہیں کر سکتے۔مزید برآں آخری آیت 24 کے مطابق ان عورتوں سے بھی شادی ممنوع ہے جو "شادی شدہ" ہوں۔

مندرجہ ذیل نکات یہ واضح کرتے ہیں کہ اسلام عورت کو ایک سے زیادہ مرد رکھنے سے کیوں روکتا ہے:

1) اگر ایک آدمی کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان سے پیدا ہونے والے بچوں کے ماں باپ کی آسانی سے شناخت ممکن ہے۔اس صورت میں بچے کی ماں اور باپ کی پہچان ہو سکتی ہے۔ایک سے زیادہ شوہر ہونے کی صورت میں پیدا ہونے والے بچوں کی ماں تو معلوم ہوتی ہے مگر باپ کا پتہ نہیں چل سکتا۔اسلام ماں اور باپ دونوں کی پہچان کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ماہرین نفسیات

کے نزدیک جو بچے اپنے والدین کو نہیں جانتے، خاص طور پر اپنے باپ کو، وہ بہت زیادہ ذہنی تکلیف، بے چینی اور کشمکش کا شکار ہوتے ہیں۔ اور اکثر ایسے بچوں کا بچپن ناخوشگوار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ طوائفوں کے بچوں کا بچپن صحت مند اور خوشگوار نہیں ہوتا۔ ایسے تعلق سے پیدا ہونے والے بچے کو جب اسکول میں داخل کرایا جاتا ہے اور اس وقت ماں سے اس کے باپ کا نام پوچھا جاتا ہے تو اُسے دو یا اس سے زیادہ ناموں کا حوالہ دینا پڑتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ موجودہ سائنسی ترقی کی بدولت جین ٹیسٹ کے ذریعے سے ماں اور باپ کی شناخت ہو سکتی ہے۔ اس لیئے یہ نکتہ جو ماضی میں مؤثر تھا ممکن ہے کہ اب نہ ہو لیکن بچوں کے ناخوشگوار بچپن اور ان کی ذہنی تکلیف کا مسئلہ بدستور برقرار رہتا ہے اور یہ وراثت، یعنی باُکی جائیداد وغیرہ کی تقسیم کے مسئلے میں بھی پیچیدگی کا باعث بنتا ہے۔

2) مرد فطری طور پر عورتوں کی نسبت متعدد شادیوں کا زیادہ خواہشمند ہوتا ہے۔

3) جسمانی یا حیاتیاتی طور پر ایک مرد کے لیئے کئی بیویاں رکھنے کے باوجود اپنے فرائض انجام دینا آسان ہوتا ہے۔ جبکہ ایک عورت کے لیئے جو ایک سے زیادہ شوہر رکھتی ہو بحیثیت بیوی اپنی ذمہ داریاں نبھانا ہرگز ممکن نہیں۔ ایک عورت ہر ماہواری کے دوران میں بہت سی نفسیاتی اور مزاج کی تبدیلیوں سے گزرتی ہے۔

4) ایک عورت جس کے ایک سے زیادہ شوہر ہوں۔ اسے بیک وقت ایک سے زیادہ مردوں سے جنسی تعلقات رکھنے پڑیں گے تو اس کو بہت سی جنسی بیماریاں لگ سکتی ہیں۔ جو وہ اپنے کسی شوہر کو منتقل کر سکتی ہے، چاہے اس کے تمام شوہروں کے دوسری خواتین سے غیر ازدواجی تعلقات نہ بھی ہوں لیکن یہ صورتحال مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی صورت میں پیش نہیں آتی۔

یہ تمام وہ ظاہری وجوہ جن کا آسانی سے علم ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے اور بھی بہت سی وجوہ ہوں جن کا علم دانائے راز، اللہ تعالی علیم و خبیر کو ہی بہتر طور پر ہو کہ اس نے عورت کو ایک سے زیادہ شوہر رکھنے سے کیوں منع کیا ہے۔

حاشیہ:

اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ اور نگران بنایا ہے، وہ خاندان کی اولاد اور گھر کی دیکھ بھال کرتی ہے، اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک سے زیادہ گھروں کی دیکھ بھال کر سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مرد کے اندر ایک غیر فطری غیرت ہے، جو ہر سلیم الفطرت شخص کے اندر پائی جاتی ہے، کہ بیوی کے معاملے میں وہ کسی کی شراکت کو برداشت نہیں کرتا۔ یہ غیرت نہ صرف انسانوں میں ہے بلکہ حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ وہ بھی اس معاملے میں شراکت برداشت نہیں کرتے۔

جیسا کہ امام بخاری)رحمۃ اللہ علیہ(نے عمر بن میمون کے حوالے سے بندروں کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، حافظ ابن حجر)رحمت اللہ علیہ(نے فتح الباری میں اسے تفصیل سے ذکر کیا ہے:

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں یمن میں ایک ٹیلے پر اپنے خاندان کی بکریاں چرا رہا تھا ایک بندر اور بندریا وہاں آئے، بندر نے بندریا کا بازو اپنے سر کے نیچے رکھا اور سو گیا۔ اس دوران ایک اور بندر آیا اور اس نے بندریا کو بہکایا اور وہ اس کے ساتھ چلی گئی اور تھوڑا دور جا کر انہوں نے بدکاری کی، پھر بندریا واپس آئی اور اپنا ہاتھ بندر کے سر کے نیچے داخل کرنا چاہا تو وہ جاگ اُٹھا، اس نے اسے سونگھا اور چلانے لگا۔ کئی بندر اکٹھے ہو گئے وہ مسلسل چلائے جا رہا تھا اور اس بندریا کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ بندر ادھر اُدھر گئے اور اس بندر کو لے آئے جس نے بدکاری کی تھی، انہوں نے ان دونوں کے لیئے ایک گڑھا کھودا اور انہیں رجم کر دیا۔

)فتح الباری 7/202، حدیث: 3859(

اس طرح خنزیر کے علاوہ تمام جانوروں میں یہ غیرت کی حس موجود ہے، جب حیوان برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کی مؤنث کو کوئی اور نر جفتی کرے تو انسان اپنی شریک حیات میں شراکت کیسے برداشت کر سکتا ہے؟

اعتراضات کے جوابات۔اعتراض 17

موت کے بعد زندگی کیوں؟

"آپ آخرت، یعنی موت کے بعد زندگی کے وجود کو کیسے ثابت کریں گے ؟"

کئی لوگ حیران ہوں گے کہ سائنسی اور عقلی دلائل کا حامل ایک شخص اخروی زندگی پر کیسے یقین رکھ سکتا ہے ؟ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا ہے وہ صرف اندھے اعتقاد کی بنا پر ایسا کرتا ہے جبکہ اُخروی زندگی پر میرا یقین عقلی دلائل پر مبنی ہے۔

آخرت کا عقیدہ عقلی بنیاد پر:

قرآن عظیم میں ایک ہزار سے زیادہ آیات ہیں جو سائنسی حقائق پر مبنی ہیں۔

قرآن میں مذکور بہت سے حقائق گذشتہ چند صدیوں میں سائنسی سطح پر دریافت ہوئے ہیں۔ لیکن سائنس ابھی تک قرآن کے ہر بیان کی تصدیق کی سطح پر نہیں پہنچی۔

فرض کریں کہ قرآن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں سے 80 فیصد بیانات سو فیصد درست ہیں۔ باقی 20 فیصد بیانات کے متعلق سائنس کوئی حتمی بات نہیں کہتی کیونکہ ابھی وہ اس مقام پر نہیں پہنچی جہاں وہ ان بیانات کو ثابت کر سکے یا جھٹلائے، ہم اپنے محدود علم کی روشنی میں یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ قرآن کے اس 20 فیصد حصے میں ایک فیصد یا ایک آیت بھی غلط ہے۔ اب جبکہ 80 فیصد قرآن 100 فیصد صحیح ہے۔ اور باقی 20 فیصد کو غلط ثابت نہیں کیا گیا تو منطق کہتی ہے کہ باقی 20 فیصد بھی صحیح ہے، موت کے بعد زندگی جس کا قرآن میں ذکر ہے وہ اس 20 فیصد غیر واضح حصے میں ہے جس کے متعلق منطق یہ کہتی ہے کہ صحیح ہے۔

امن اور انسانی اقدار کا تصور:

ڈاکہ زنی اچھائی ہے یا بُرائی؟ ایک عام عاقل آدمی کے نزدیک یہ بُرائی ہے۔ ایک شخص جو موت کے بعد زندگی پر یقین نہیں رکھتا، کسی طاقتور اور بااثر ملزم کو کیسے قائل کر سکتا ہے کہ ڈاکہ زنی بُرائی ہے؟

فرض کریں کہ میں دنیا میں سب سے طاقتور اور بااثر مجرم ہون، اس کے ساتھ ساتھ میں ایک ذہین اور منطقی شخص بھی ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ ڈاکہ زنی اچھی بات ہے کیونکہ یہ مجھے پُر تعیش زندگی بسر کرنے میں مدد دیتی ہے۔ اس لیے یہ میرے لیئے ٹھیک ہے۔ اگر کوئی میرے سامنے منطقی دلیل لا سکے کہ یہ میرے لیئے کیوں بُری ہے تو میں اسے فوراً چھوڑ دوں گا لوگ عام طور پر مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں:

لٹنے والے کے لیے مشکلات:

کچھ لوگوں کے نزدیک لٹنے والا شخص مشکلات کا سامنا کرے گا، میں یقیناً متفق ہوں کہ یہ اس کے لیئے بُرا ہے جو لٹ جاتا ہے لیکن میرے لیے اچھا ہے اگر میں ہزاروں ڈالر لوٹتا ہوں میں کسی فائیو سٹار ہوٹل میں اچھے کھانے سے لطف اندوز ہو سکتا ہوں۔

کوئی آپ کو بھی لوٹ سکتا ہے۔: کچھ لوگ دلیل دیتے ہیں کہ کسی دن میں بھی لُٹ جاؤں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ مجھے کوئی لوٹ نہیں سکتا کیونکہ میں ایک بہت طاقتور مجرم ہوں اور میرے سینکڑوں محافظ ہیں۔ میں کسی کو بھی لوٹ سکتا ہوں لیکن مجھے کوئی نہیں لوٹ سکتا۔ ڈاکہ زنی عام آدمی کیلئے خطرناک ہو سکتی ہے لیکن میرے جیسے بااثر آدمی کیلئے نہیں۔

پولیس تمہیں گرفتار کر سکتی ہے:

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم لوگوں کو لوٹو گے تو پولیس تمہیں گرفتار کر لے گی۔ لیکن پولیس مجھے گرفتار نہیں کر سکتی کیونکہ میں پولیس کو حصہ دیتا ہوں اور میرے حصے دار وزیر بھی ہیں۔

میں اس بات سے متفق ہوں کہ اگر عام آدمی ڈاکہ زنی کرے گا تو وہ پکڑا جائے گا اور یہ اس کے لیے اچھا نہ ہو گا لیکن میں غیر معمولی طور پر بااثر اور طاقتور مجرم ہوں۔

میرے سامنے کوئی منطقی دلیل پیش کریں کہ میرے لیے ڈاکہ زنی کیوں بُری ہے۔ تب میں اس بُرے کام سے رک جاؤں گا۔

پیسہ کمانے کا آسان طریقہ:

کچھ لوگ کہ سکتے ہیں کہ اس طریقے سے روپیہ کمانا آسان ہے، اس میں کوئی مشکل نہیں۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ یہ آسان طریقہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں ڈاکہ زنی کرتا ہوں۔ اگر ایک شخص کو یہ اختیار دیا جائے کہ پیسہ کمانے کا آسان طریقہ منتخب کرے یا مشکل تو منطقی شخص آسان راستہ ہی اختیار کرے گا۔

انسانیت کے منافی فعل:

کچھ لوگوں کے نزدیک ڈاکہ زنی انسانیت کے خلاف ہے اور یہ ایک انسان کو دوسروں کا خیال رکھنا چاہیئے، میں دوبارہ دلیل دے کر یہ پوچھنا چاہوں گا کہ جس چیز کو "انسانیت" (Humaity) کہتے ہیں وہ کس کا قانون ہے اور مجھے کیوں اس پر عمل کرنا چاہیئے؟

یہ قانون جذباتی اور جوشیلے شخص کے لیے اچھا ہو سکتا ہے مگر میں تو منطقی شخص ہوں مجھے دوسروں کا خیال کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

خودغرضی سے لطفِ حیات:

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اوروں کو لوٹنا خودغرضی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ خودغرضانہ فعل ہے لیکن مجھے خودغرض کیوں نہیں ہونا چاہیئے؟ خودغرضی مجھے زندگی سے لطف اندوز ہونے میں مدد دیتی ہے۔

ڈاکہ زنی بہرحال بُرا کام ہے:

یہ ثابت کرے کے نام دلائل کہ ڈاکہ زنی ایک بُرا کام ہے، بے کار ہیں۔ یہ ایک عام آدمی کو تو مطمئن کر سکتے ہیں لیکن میرے جیسے طاقتور اور بااثر مجرم کو نہیں۔ ان دلائل کا منطقی اور عقلی حوالوں سے دفاع نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کوئی حیران کن بات نہیں کہ اس دنیا میں بہت سے مجرم ہیں۔ اسی طرح زنا بالجبر اور دھوکہ دہی وغیرہ کو بھی میرے جیسے شخص کے لیے اچھا ثابت کیا جا سکتا ہے اور کوئی منطقی دلیل موجود نہیں جو مجھے قائل کر سکتے کہ یہ بُرے کام ہیں۔

مسلمان کا مجرم کو قائل کرنا:

آیئے ان کردار بدلتے ہیں۔ فرض کیجیئے کہ آپ بہت طاقتور اور بااثر مجرم ہیں۔ آپ نے پولیس اور وزیروں کو بھی پیسے سے خرید رکھا ہے اور آپ کی حفاظت کے لیے ٹھگوں کی فوج موجود ہے۔ لیکن میں بحیثیت مسلمان آپ کو قائل کر سکتا ہوں کہ ڈاکہ زنی، زنا بالجبر اور دھوکہ دہی وغیرہ بُرے کام ہیں۔

اگر میں بھی دلائل دوں جو پہلے دیے جا چکے ہیں کہ ڈاکہ زنی ایک بُرا کام ہے تو مجرم وہی جواب دے گا جو پہلے دے چکا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مجرم کے منطقی ہونے کے باوجود اس کے تمام دلائل صرف اس وقت تک ہی صحیح ہیں جب وہ بہت طاقتور اور بااثر ہو۔ لیکن اگر اس کے اوپر اس سے کہیں زیادہ طاقتور ایک ہستی موجود ہے ئ، اور یقیناً ہے، تو صورتِ حال بدل جاتی ہے۔

مجرم بھی انصاف چاہتا ہے:

ہر انسان انصاف کا آرزومند ہے۔ اگر دوسروں کے لیے نہیں تو کم از کم اپنے لیے ضرور انصاف چاہتا ہے۔ بہت سے لوگ طاقت ور اور اختیارات کے نشے میں دوسروں کو دکھ اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ تاہم وہ لوگ بھی اس وقت یقیناً اعتراض کرتے ہیں جب خود ان سے بے انصافی کی جاتی ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کی تکالیف سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ طاقت اور اختیارات کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ طاقت اور اختیارات انہیں نہ صرف دوسروں سے ناانصافی کرنے کی اجازت دیتے ہیں بلکہ ان کو دوسروں کے ظلم سے بھی بچاتے ہیں۔

سب سے طاقتور اور عادل:

بحیثیت مسلمان میں ایک مجرم کو اللہ تعالی کے وجود کا قائل کروں گا اور کہوں گا کہ اللہ تم سے کہیں زیادہ طاقتور اور انصاف کرنے والا ہے قرآنِ عظیم کہتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ

بلاشبہ اللہ) کسی پر) ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔

(سورہ النساء 4 آیت 40)

اللہ مجھے سزا کیوں نہیں دیتا؟

ایک مجرم کے روبرو جب وجود باری تعالی کے بارے میں قرآن سے سائنسی حقائق پیش کئے جائیں تو منطقی اور سائنسی نقطہ نظر رکھنے کے باعث وہ اتفاق کرتا ہے کہ اللہ موجود ہے۔ لیکن وہ کہ سکتا ہے کہ اگر اللہ طاقتور اور عادل ہے تو پھر مجھے سزا کیوں نہیں دیتا؟

بے انصاف لوگوں کو سزا ملنی چاہیئے:

ہر وہ شخص جس سے بے انصافی ہوئی ہو۔ چاہے اس کا سماجی یا معاشی مرتبہ کچھ بھ ہو۔ وہ چاہے گا کہ بے انصافی کے مرتکب شخص کو سزا ملے۔ ہر معقول شخص چاہے گا کہ ڈاکو یا عصمت دری کے مرتکب کو سبق سکھایا جائے۔ اگرچہ مجرموں کی ایک بڑی تعداد کو سزا دی جاتی ہے۔ اس کے باوجود بہت سے محرم ایسے بھی ہوتے ہیں جو محاسبے سے بچ جاتے ہیں۔ وہ بڑی خوشگوار اور عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر کسی طاقتور اور بااختیار شخص کے ساتھ کوئی ایسا طاقتور اور بااختیار شخص بے انصافی کرے جو اُس سے بڑھ کر طاقتور ہو تو وہ بھی چاہے گا کہ بے انصفای کے مرتکب شخص کو سزا دی جائے۔

عاقبت کے لیے آزمائش:

انسان کی یہ زندگی موت کے بعد کی زندگی کے لیے امتحان ہے قران مجید کہتا ہے۔

الذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ

"وہ) اللہ) جس نے موت اور زندگی تخلیق کی ہے تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے، اور وہ بڑا زبردست اور بخشنے والا ہے۔

(سورۃ الملک 67 آیت 2)

یوم حساب کو آخری انصاف: قرآن عظیم میں ہے:

كلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (١٨٥)

"اور ہر ذی روح موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تمہیں تمہارے بدلے پورے پورے دیے جائیں گے۔ پھر جو شخص (جہنم کی) آگ سے بچ گیا اور اسے جنت میں داخل کر دی گیا تو وہ کامیاب رہا۔ اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔

)سورۃ آلعمران 3 آیت 185)

آخری انصاف یوم حساب کو ہو گا۔ جب ایک شخص مر جائے گا تو اس کے بعد قیامت کے دن اُسے دوسرے انسانوں کے ساتھ دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ ممکن ہے کہ کسی مجرم کو اس کی سزا کا کچھ حصہ اس دنیا میں مل جائے گا لیکن آخری جزا اور سزا اس کو دوسری زندگی ہی میں ملے گی۔ ممکن ہے اللہ کسی ڈاکو یا زنا بالجبر کے مجرم کو اس دنیا میں سزا نہ دے لیکن وہ قیامت کے دن یقیناً جوابدہ ہو گا اور پُوری پُوری سزا پائے گا۔

ہٹلر کو سزا کیونکر؟

کہا جاتا ہے کہ جرمن ایڈولف ہٹلر نے اپنے پُر دہشت دورِ حکومت میں لاکھوں یہودیوں کو گیس چیمبروں میں جلا کر خاک کر دیا۔ جرمنی کی شکست کے بعد پولیس اس کو گرفتار بھی کر لیتی تو انسانی قوانین کے تحت اس کو کیا سزا دی جاتی جس سے انصاف کا تقاضا پورا ہوتا؟ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے تھے کہ اس کو بھی گیس چیمبر میں ڈال دیتے لیکن یہ تو صرف ایک یہودی کو مارنے کی سزا ہوتی۔ باقی لاکھوں یہودیوں کے قتل کا بدلہ کیسے لیا جاتا؟ اس کا جواب قرآن دیتا ہے۔

ہٹلر کو دوزخ کی سزا:

قرآن کریم میں اللہ تعالی فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا
()

"بلاشبہ جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں، ان کو ہم جلد آگ میں ڈالیں گے جب ان کی کھالیں جل جائیں گی۔ تو پھر ہم ان کو نئی کھالوں میں تبدیل کر دیں گے تا کہ وہ عذاب کا مزہ چکھ سکیں۔ بے شک اللہ سب سے طاقتور اور خوب حکمت والا ہے۔

)سورۃ النساء 4 آیت 56)

لہذا اگر اللہ چاہے گا تو ہٹلر کو دوزخ کی آگ میں تا ابد جلایا جاتا رہے گا۔

اچھائی یا برائی تا تصور:

اس پوری بحث سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی شخص کو آخرت یا موت کے بعد کی زندگی کے تصور کا قائل کیے بغیر انسانی اقدار اور اعمال کے اچھے یا برے ہونے کا تصوور کا قائل نہیں کیا جا سکتا۔ بالخصوص جب وہ بااثر اور طاقتور بھی ہو۔

حاشیہ:

آخرت کے تصور کے لیے قرآن نے جا بجا مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر کیا ہے۔ حیوانات اور نباتات کے دوبارہ زندہ ہونے کی مثالیں جگہ جگہ مذکور ہیں۔ سورۃ بقرہ میں پانچ مقامات پر مردوں کے زندہ ہونے کا ذکر ہے۔ جبکہ زمین کے مردہ (بنجر) ہونے کے بعد اس کی دوبارہ زندگی ہر انسان کے مشاہدے میں ہے، لہذا قیامت کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے سے کوئی دانا اور سمجھدار انکار نہیں کر سکتا۔

اعتراضات کے جوابات۔اعتراض 18

شراب کی ممانعت میں کیا حکمت ہے؟

"شراب کا استعمال اسلام میں کیوں حرام کیا گیا ہے؟"

قدیم وقتوں سے شراب انسانی معاشرے کے لیے مصیبت اور عذاب کا باعث بنتی چلی آرہی ہے، آج پوری دنیا میں ان گنت انسانی جانیں اس اُم الخبائث کی نذر ہوتی ہیں۔ اور لاکھوں انسان شراب نوشی کے نتیجے میں مصائب کا شکار ہوتے ہیں۔ معاشرے کے بہت سے مسائل کی جڑ یہی شراب خانہ خراب ہے۔ جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح، بڑھتی ہوئی ذہنی بیماریاں اور لاکھوں کی تعداد میں ٹوٹنے والے گھر شراب ہی کی تباہ کاریوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

قرآن میں شراب کی ممانعت:

قرآن عظیم میں شراب کی ممانعت کا حکم مندرجہ ذیل آیت میں آیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (٩٠)

"اے ایمان والو! شراب، جوا، بُتوں کے آستانے اور فال کے تیر سب گندے کام ہیں۔ ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

)سورۃ المائدہ 5 آیت 90)

بائبل میں شراب کی ممانعت:

بائبل میں شراب نوشی کو مندرجہ ذیل فقرات میں منع کیا گیا ہے۔ عہد نامہ عتیق کی کتاب امثال میں ہے:

"شراب ایک فریبی مشروب ہے، بلانوشی غضبناک ہے، جو بھی اس کے فریب میں آتا ہے یہ اُسے دیوانہ کر دیتی ہے۔) "امثال(20/1

اور عہد نامہ جدید میں کہا گیا ہے:

"اور شراب میں دھت نہ رہو۔) "افسیوں کے نام خط: 5/18)

شراب بدی کے خلاف، مدافعاتی نظام کو معطل کرتی ہے۔

انسان کے دل ودماغ میں بُرائی سے روکنے والا نظام ہوتا ہے جسے نفس لوّامہ کہتے ہیں۔ یہ نفس لوّانہ انسان کو غلط کام کرنے سے روکتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی عام طور پر اپنے ماں باپ اور بڑوں سے بات کرتے وقت بُری زبان استعمال نہیں کرتا۔ اسے رفع حاجت ضرورت پیش آجاتی ہے تو نفس لوامہ اسے اوروں کے سامنے ایسا کرنے سے روکتا ہے۔ اس لیے وہ بیت الخلاء ہے یاڈور جا کر اوٹ میں قضائے حاجت سے فارغ ہوتا ہے۔

جب ایک شرخ شراب پیتا ہے تواُسے برائی سے روکنے والا نظام خود ہی رُک جاتا ہے۔
چنانچہ وہ ایسی حرکات کرتا ہے جو اس کے خصائل میں شامل نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر وہ شراب کے نشے میں بُری اوار غلیظ زبان استعمال کرتا ہے وہ اپنی غلطی محسوس نہیں کر سکتا، خواہ وہ اپنے ماں باپ سے ہی مخاطب ہو۔ بہت سے شرابی اپنے کپڑوں میں پیشاب بھی کر دیتے ہیں۔ وہ صحیح طریقے سے بات کر سکتے ہیں نہ ٹھیک طریقے سے چل سکتے ہیں حتی کہ مار پیٹ پر بھی اُتر آتے ہیں۔

شراب، خوری اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب:

امریکی محکمہ انصاف کے بیورو آف جسٹس کے ایک سروے کے مطابق امریکہ میں صف 1996ء کے دوران میں زناء بالجبر کے روزانہ 2713 واقعات پیش آیئے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ان زانیوں میں اکثیرت ان کی تھی جو ارتکاب کے وقت نشے میں مدہوش تھے۔ عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کے زیادہ تر واقعات بھی مجرموں کی شراب نوشی کا نتیجہ تھے۔

اعداد و شمار کے مطابق 8 فیصد امریکی محرمات سے مباشرت کرتے ہیں۔ یعنی ہر بارہ میں سے ایک شخص اس گناہ میں ملوث ہے۔ ایسے تقریباً تمام واقعات میں کوئی ایک نشے میں ہوتا ہے یا دونوں۔

ایڈز جیسی خوفناک بیماری کے پھیلنے کی ایک بڑی وجہ شراب نوشی ہے۔

کبھی کبھار شراب نوشی:

بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ تو سماجی شرابی ہیں۔ یعنی کبھی کبھار موقع ملے پر پی لیتے ہیں، وہ یہ دعٰو کرتے ہیں کہ وہ بلانوش نہیں اور صرف ایک یا دو جام پیتے ہیں، انہیں خود پر کنٹرول ہوتا ہے اور ان کو نشہ نہیں ہوتا۔ تحقیقات بتاتی ہیں کہ شروع میں ہر بلانوش سماجی شرابی ہوتا ہے، ایک بلا نوش بھی یہ سوچ کر شراب پینا شروع نہیں کرتا کہ وہ عادی شراب نوش بنناچاہتا ہے۔ کوئی بھی سماجی شرابی یہ نہیں کہ سکتا کہ میں کئی سال سے شراب پی رہاہوں اور مجھے اپنے آپ پر اتنا کنڑول ہے کہ میں ایک دفعہ بھی نشے کا شکار نہیں ہوا۔

چُھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی:

فرض کریں کہ ایک "سماجی شرابی" صرف ایک دفعہ ضبط نفس کھو بیٹھتا ہے۔ نشے کی حالت میں وہ زنا بالجبر یا اپنی کسی محرم سے مباشرت کر گزرتا ہے۔ اس کے بعد وہ پچھتائے اور شرمندہ بھی ہو تب بھی احساس جرم ساری زندگی اس کے ساتھ رہے گا۔ زنا کا مرتکب اور اس کا شکار ہونے والی عورت دونوں کو نا قابل تلافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

حدیث میں شراب کی ممانعت:

سنن ابن ماجہ کی کتاب نمبر 30 میں شراب کی واضح حرمت آئی ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"لاتشرب الخمر، فانھا مفتاح کل شر"

"شراب مت پیو، بے شک یہ ہر بُرائی کی چابی ہے۔"

)سنن ابن ماجہ، باب الخمر مفتاح کل شر، حدیث 3371)

"کل مسکر حرام وما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام"

"ہر نشہ لانے والی شے حرام ہے، اور جس کی زیادہ مقدار نشہ لائے اس کی تھوڑی بھی حرام ہے"

)سنن ابن ماجہ، الأشربہ، الأشربہ، باب ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام، حدیث: (3392

گویا شراب کا چھوٹا گھونٹ اور چُسکی بھی حرام ہے:

نہ صرف وہ لوگ جو شراب پیتے ہیں۔ان پر اللہ کی لعنت ہے بلکہ وہ لوگ جو بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کا لین دین کرتے ہیں اُن پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔

حضرت انس (رضی اللہ تعالی عنہ) سے روایت ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا:

"لُعنت الخمر علی عشرۃ اوجہ: بعینھا وعاصرھا، ومعتصرھا، وبائعدا، ومبتاعھا، وحاملھا، والمحمولہ الیہ، واکل ثمنھا، وشاربھا وساقیھا۔

"اللہ نے شراب پر دس وجوہ سے لعنت فرمائی ہے۔() نفس شراب پر() اسے کشید کرنے والے پر() جس کے لیئے کشید کی جائے اس پر() اس کے بیچنے والے پر() اور جو اسے خریدے اس پر() شراب لے جانے والے پر() اور جس کی طرف لے جائی جائے اس پر() شراب کی قیمت کھانے والے پر() اسے پینے() اور پلانے والے پر( ) "

(سنن ابن ماجہ، الأشربہ، باب لعنت الخمر علی عشرہ أوجہ، حدیث:3380)

شراب سے لاحق ہونے والی بیماریاں:

شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء کے استعمال سے منع کرنے کی بہت سی سائنسی وجوہ بھی ہیں۔ دنیا میں شراب نوشی کے باعث سب سے زیادہ اموات واقع ہوتی ہیں۔ ہر سال شراب نوشی کی وجہ سے لاکھوں افراد مر جاتے ہیں۔ مجھے شراب کے تمام بُرے اثرات کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں لیکن عام طور پاس اس سے جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1) جگر کا سرطان بہت مشہور بیماری ہے، جو شراب نوشی کی وجہ سے لگتی ہے۔

2) معدے کی نالی کا شرطان، بڑی آنت کا سرطان وغیرہ۔

3) معدے کی نالی، معدے، لبلبے اور جگر کی سوزش کا تعلق شراب نوشی سے ہے۔

4) دل کے عضلات کا تباہ ہو جانا (Cardiomyopathy)، بلڈ پریشر کا بڑھنا (Hypertension)، دل کی شریان کا خراب ہونا (Coronary Artherosclerosis) دل کی تکلیف (انجائنا) اور دل کے دورے، ان تمام عوارض کا تعلق کثرتِ شراب نوشی سے ہے۔

5) مختلف اعصابی و دماغی امراض (Peripheral Neuropathy, Cortical Atrophy,;) اور فالج کی مختلف اقسام میں پچھلے واقعات اک بار بار دہرانا بھی شراب نوشی کی کثرت سے رونما ہونے والی ھتایامین کی قلت کا نتیجہ ہے۔

6) یاداشت کا خرا ہونا (Werincke-Korsakoff Syndrome with Ammesia)

7) بیری بیری کا مرض اور دوسری بیماریاں بھی شراب نوشوں میں عام ہیں۔

8) ڈیلیریم ٹریمنس شراب نوشی سے بار بار لاحق ہونے والا سنگین عارضہ ہے۔ جو بعض اوقات آپریشن کے بعد رونما ہوتا ہے۔ بوض اوقات یہ موت کا باعث بن جاتا ہے۔ ذہنی اختلال، دہشت، گھبراہٹ اور وہم اس کی علامات ہیں۔

9)اینڈوکرائن)درون افرازی)غدود کی خرابیاں، مثلاً

Mxyodema, Hyperthyroidism, Florid cushing

10)کون کے سرخ ذرات کے عوارض، فولک ایڈ کی کمی، خون کی کمی اور اسکے نتیجے میں Mycirocytic Anemiaاور خون میں سرخ ذرات کی کمی (انیمیا)اور یرقان وغیرہ کی بیماریاں بھی شراب نوشی کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔

11)خون کے کے سفید ذرات(Platelets)میں کمی اور ان کی دیگر خرابیاں

12)عام استعمال ہونے والی دوائی فلیجل (میٹرونیڈازول) کا شراب کے ساتھ بہت بُرا ردِ عمل ہوتا ہے۔

13)جسم کا بار بار عفونت(Infection)میں مبتلاء ہونااور بیماریوں کے خلاف مدافعتی نظام میں خرابی کثرت سے اور طویل عرصے تک شراب نوشی کا نتیجہ ہیں۔

14)چھاتی کی عفونت، نمونیا، پھیپھڑوں میں سوزش، ہوائی چھالا(Emphysema)اور پھیپھڑوں کی دق (ٹی بی) یہ سب شراب سے پیدا ہونے والی عام بیماریاں ہیں۔

15)بلانوش نشے میں عموماً قے کرتا ہے۔ وہ عضلات جو سانس کی نالی کو محفوظ رکھتے ہیں، مفلوج ہوجاتے ہیں تو قے عموماً پھیپھڑوں میں چلی جاتی ہے۔ جو نمونیے اور پھیپھڑوں میں خرابی کا باعث بنتی ہے، بعض اوقات اس کی وجہ سے دم گھٹ جاتا ہے اور موت واقع ہوجاتی ہیے۔

16)عورتوں میں شراب کے اثرات زیادہ شدید ہوتے ہیں۔ شرابی عورتوں میں مردوں کی نسبت جگر کے خلیات کی توڑ پھوڑ زیادہ ہوتی ہے۔ خاص طور پر حاملہ عورت مین شراب کے استعمال سے نومولود پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔

17) جلد کی بیماریاں بھی شراب نوشی کی بدولت ہوتی ہیں۔

18) جلدی بیماریاں، گنجا پن (Alopecia)، ناخنوں کا ٹوٹنا، ناخنوں کے گرد عفونت (Infection) اور باچھوں میں

19) سوزش بھی شراب نوشی سے پیدا ہونے والی عام بیماریاں ہیں۔

شراب نوشی ایک بیماری ہے:

ڈاکٹر اب شراب کے معاملے میں آزاد خیال ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس کو نشے سے زیادہ بیماری کا نام دے دیا ہے۔

اگر شراب ایک بیماری ہے تو یہ واحد بیماری ہے جو:

1) بوتلوں میں بیچی جاتی ہے۔

2) اس کے اختبارات اور جرائد میں اور ریڈیو و ٹیلی ویژن پر تشہیر کی جاتی ہے۔

3) شراب نوشی کے اڈوں کا لائسنس دیا جاتا ہے۔

4) یہ گورنمنٹ کے لیئے ریونیو اکٹھا کرتی ہے۔

5) بڑی شاہراہوں پر خوفناک اموات کا باعث بنتی ہے۔

6) خانگی زندگی کو تباہ کر دیتی ہے۔ اور جرائم کی شرح میں اضافہ کرتی ہے۔

7) یہ جراثیم یا وائرس کے بغیر ہی بنی نوع انسان کے لیے تباہی لاتی ہے۔

شراب نوشی شیطانی ہتھکنڈا ہے:

شراب نوشی محض بیماری نہیں، شیطانی ہتھکنڈا ہے، اللہ جل جلالہ نے اپنی بے پایاں حکمت سے ہمیں شیطان کے پھندے سے بچنے کے لیے خبردار کیا ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ یہ انسان کا فطری مذہب ہے، اس کے تمام احکامات انسان کی اصلی اور فطری حالت برقرار رکھنے کیلئے ہیں، لیکن شراب ایک فرد اور ایک معاشرے کو اس کی فطرت سے ہٹا دیتی ہے، یہ انسان کو حیوان کے درجے سے بھی گرا دیتی ہے۔ حالانکہ وہ اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ان تمام وجوہ کی بناء پر اسلام میں شراب حرام ہے۔

اعتراضات کے جوابات۔اعتراض 19

مرد اور عورت کی گواہی میں مساوات کیوں نہیں؟

"دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر کیوں ہے؟"

دو عورتوں کی گواہ ہمیشہ ایک مرد کی گواہی کے برابر نہیں۔قرآن مجید میں تین آیات ہیں جن میں مرد اور عورت کی تفریق کے بغیر گواہی کے احکام آئے ہیں:

وراثت کے متعلق وصیت کرتے وقت دو دال اشخاص کی گواہی کی ضرورت ہوتی ہے:

سورۃ مائدہ میں قرآن عظیم کہتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ (سورۃ المائدہ 5 آیت 106)

"اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو تمہارے درمیان گواہی ہونی چاہیئے۔ ترکے کی وصیت کے وقت دو انصاف والے اپنے) مسلمانوں) میں سے گواہ بنالو اگر تم زمین میں سفر پر نکلو اور) راستے میں) موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیر قوم کے دو) گواہ بھی کافی ہوں گے)۔

)سورۃ المائدہ 5 آیت 106)

طلاق کے معاملے میں دو عادل اشخاص کو گواہ بنانے کا حکم ہے:

وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ) سورۃ الطلاق 65 آیت 2)

"اور تم اپنے میں سے دو اشخاص کو گواہ بنالو جو عادل ہوں اور اللہ کے لیئے گواہی دو۔"

)سورۃ الطلاق 65 آیت 2)

پاکباز عورت کے خلاف گواہی کیلئے چار شہادتیں درکار ہیں:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (٤)
(سورۃ النور 24 آیت 4)

"اور جو لوگ پاکباز عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر وہ چار گواہ پیش نہ کر سکیں) اپنے الزام کی تصدیق میں) تو ان کو 80 کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ اور یہی لوگ نافرمان ہیں۔"

)سورۃ النور 24 آیت 4)

مالی لین دین میں عورت کی گواہی:

یہ صحیح نہیں کہ ہمیشہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہو گی۔ یہ صرف چند معاملات کے لیے ہے۔ قرآن میں 5 آیات ہیں جن میں گواہی کے بارے میں مرد اور عورت کی تخصیص کے بغیر حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ صرف ایک آیت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ یہ سورۃ بقرہ کی آیت 282 ہے۔ مالی معاملات کے متعلق یہ قرآن کی سب سے لمبی آیت ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ

فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى (سورۃ البقرہ 2 آیت 282)

"اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت کے لیے ایک دوسرے سے ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور لکھنے والے کو چاہیئے کہ تمہارے درمیان انصاف سے لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے، جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے اسے لکھنا چاہیئے، اور وہ شخص لکھوائے جس کے ذمے قرض ہو اور اسے اپنے رب، اللہ سے ڈرنا چاہیئے اور) لکھواتے وقت (وہ) مقروض (اس میں سے کوئی چیز کم نہ کرے۔ لیکن اگر وہ فرد جس کے ذمے قرض ہو، نادان یا ضعیف ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوائے، اور تم اپنے مسلمان مردوں میں سے دو گواہ بنالو، پھر اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں کے طور پر پسند کرو) یہ اس لیے (کہ ایک عورت بھول جائے تو ان میں سے دوسری اُسے یاد دِلا دے۔"

)سورۃ البقرہ 2 آیت 282)

قرآن کی یہ آیت صرف مالی معاملات اور لین دین کیلئے ہے۔ اس قسم کے معاملات میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ معاہدے کو دونوں فریقوں کے مابین لکھا جائے اور دو گواہ بنائے جائیں اور یہ کوشش کی جائے کہ وہ صرف مرد ہوں۔ اگر دو مرد نہ مل سکیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں۔

اسلامی شریعت میں مالی معاملات میں دو مردوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اسلام مرد سے خاندان کی کفالت کی توقع کرتا ہے۔ چونکہ اقتصادی ذمہ داری مردوں پر ہے۔ اس لیے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ لین دین میں عورتوں کی نسبت زیادہ علم و آگہی رکھتے ہیں۔ دوسری صورت میں ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں گی کہ اگر ایک غلطی پر ہو تو دوسری اُسے یاد دِلا دے۔ قرآن میں عربی لفظ "تَضِل" یا "بھول جاتا"، یوں صرف مالی معاملات میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر رکھی گئی ہے۔

قتل کے مقدمات میں نسوانی گواہی:

اس کے بر عکس کچھ لوگوں کی رائے میں کہ عورتوں کی شہادت قتل کے معاملے میں بھی دوہری ہے، یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔ اس قسم کے معاملات میں عورت، مرد کی نسبت زیادہ خوفزدہ ہوتی ہے۔ وہ اپنی جذباتی حالت کی وجہ سے پریشان ہو سکتی ہے۔ اس لیے کچھ لوگوں کے نزدیک قتل کے مقدمات میں بھی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔

کچھ علماء کے نزدیک دو عورتوں اور ایک مرد کی گواہی کی برابری تمام معاملات کے لیے ہے۔ اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سورۃ نور میں ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی کے بارے میں واضح طور پر بتایا گیا ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ (٦) وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (٧) وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ (٨) وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ (٩) (سورۃ النور 24 آیات 6 تا 9)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس کوئی گواہ نہ ہو سوائے ان کی اپنی ذات کے، تو ان میں سے اہر ایک کی شہادت اس طرح ہو گی کہ چار بار اللہ قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے۔ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور اس عورت سے سزا تب ٹلتی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ بلاشبہ وہ) اس کا شوہر) جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ) شوہر) سچوں میں سے ہو تو اس) عورت) پر اللہ کا غضب ہو۔

)سورۃ النور 24 آیات 6 تا 9)

حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالی عنہ) کی گواہی:

حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالی عنہ) سے، جو ہمارے نبی (ﷺ) کی بیوی تھیں، کم و بیش 2220 کے قریب احادیث مروی ہیں۔ جو صرف ان کی واحد شہادت کی بدولت مستند ہیں، یہ امر اس کا واضح ثبوت ہے کہ صرف ایک عورت کی گواہی بھی قبول کی جا سکتی ہے۔

بہت سے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ایک عورت کی گواہی پہلی رات کا چاند دیکھنے کے لیے بھی کافی ہے۔ اندازہ کریں کہ روزہ رکھنے کے لیئے جو اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ ایک عورت کی گواہی کافی ہے اور اسکی گواہی پر تمام مسلمان مرد و عورتیں روزی رکھتے ہیں۔ کچھ فقہاء کے نزدیک آغازِ رمضان کے سلسلے میں ایک گواہی درکار ہے جبکہ اس کے ختم ہونے کے لیئے دو گواہیاں ضروری ہوں گی۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ گواہی دینے والے مرد ہوں یا عورتیں۔

بعض معاملات میں عورتوں ہی کی گواہی کو ترجیح حاصل ہے:

بعض معاملات میں صرف خاتون گواہ درکار ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر عورتوں کے مسائل عورت کی تدفین کے وقت غسل کے معاملات میں صرف عورت ہی کی گواہی مستند ہو گی۔ ایسے معاملات میں مرد کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی۔

ایسے گواہی کے کیس مخصوص ہیں، ہر کیس کی گواہی میں دو عورتوں کا ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً اگر مسئلہ رضاعت (عورت کے کسی کو دودھ پلایا جو اسکی اولاد نا تھی وہ اسکا رضائی بیٹا ہو گا)۔ یہاں عورت کی گواہی 1000 مردوں پر بھاری ہو گی۔
مطلب اگر عورت عدالت میں کسی بچے کے متعلق یہ کہے کے یہ میرا رضائی بیٹا ہے اور اس کی مخالفت میں کتنے ہی مرد کھڑے ہو جائیں، اس اکیلی عورت کی ہی گواہی قبول کی جائے گی۔۔۔
مالی معاملات میں مرد اور عورت کی گواہیوں میں نظر آنے والی عدم مساوات اسلام کے نزدیک کسی صنفی عدم مساوات کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ صرف معاشرے میں عورتوں اور مردوں کی مختلف نوعیت اور مختلف کرداروں کی بناء پر ہے جو اسلام نے اُن کے لیئے متعین کیئے ہیں۔

اعتراضات کے جوابات۔اعتراض 20

اسلام اور مسلمانوں کے عمل میں واضح فرق کیوں؟

"اگر اسلام بہترین مذہب ہے تو بہت سے مسلمان بے ایمان کیوں ہیں اور دھوکے بازی، اور رشوت اور منشیات فروشی میں کیوں ملوث ہیں؟"

اسلام بلاشبہ بہترین مذہب ہے لیکن میڈیا مغرب کے ہاتھ میں ہے جو اسلام سے خوفزدہ ہے، میڈیا مسلسل اسلام کے خلاف خبریں نشر کرتا اور غلط معلومات پہنچاتا ہے، وہ اسلام کے بارے میں غلط معلومات پہنچاتا ہے وہ اسلام کے بارے میں غلط تاثر پیش کرتا ہے، غلط حوالے دیتا ہے اور واقعات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے، جب کسی جگہ کوئی

بم پھٹتا ہے تو بغیر کسی ثبوت کے سب سے پہلے مسلمانوں پر الزام لگادیا جاتا ہے۔ وہ الزام خبروں میں سب سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں جب یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کے ذمہ دار غیر مسلم تھے تو یہ ایک غیر اہم اور غیر نمایاں خبر بن کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی پچاس برس کا مسلمان کسی پندرہ سالہ لڑکی سے اس کی اجازت سے شادی کرتا ہے تو مغربی اخبارات میں وہ پہلے صفحے کی خبر بنتی ہے، لیکن جب کوئی 50 سالہ غیر مسلم 6 سالہ لڑکی کی عصمت دری کرتا ہے تو یہ سانحہ اندر کے صفحات میں ایک معمولی سی خبر کے طور پر شائع ہوتا ہے۔ امریکہ میں روزانہ عصمت دری کے 2713 واقعات پیش آتے ہیں لیکن خبروں میں جگہ نہیں پاتے کیونکہ یہ امریکیوں کی طرزِ زندگی کا ایک حصہ ہے۔

ہر معاشرے میں ناکارہ لوگ ہوتے ہیں:

میں اس بات سے باخبر ہوں کہ ایسے مسلمان یقیناً موجود ہیں جو دیانتدار نہیں اور دھوکے بازی اور دوسری مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ لیکن میڈیا یہ ثابت کرتا ہے کہ صرف مسلمان ہی ان کا ارتکاب کرتے ہیں، حالانکہ ایسے افراد اور جرائم دنیا کے ہر ملک اور ہر معاشرے میں ہوتے ہیں۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بہت سے مسلمان بلانوش ہیں، اور غیر مسلموں کے ساتھ مل کر شراب نوشی کرتے ہیں۔

مسلم معاشرے کی مجموعی حالت بہتر ہے:

اگرچہ مسلمان معاشرے میں بھی کالی بھیڑیں موجود ہیں مگر مجموعی طور پر مسلمانوں کا معاشرہ دنیا کا بہتری معاشرہ ہے۔ ہمارا معاشرہ دنیا کا وہ سب سے بڑا معاشرہ ہے جو شراب نوشی کے خلاف ہے، یعنی ہمارے ہاں عام مسلمان شراب نہیں پیتے۔ مجموعی طور پر ہمارا ہی معاشرہ ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ خیرات کرتا ہے۔ اور جہاں تک حیائ، متانت، انسانی اقدار اور اخلاقیات کا تعلق ہے دنیا کا کوئی معاشرہ ان کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ بوسنیا، عراق اور افغانستان میں مسلمان قیدیوں سے عیسائیوں کا سلوک اور برطانوی خاتون صحافی کے ساتھ طالبان کے برتاؤ میں واضح فرق صاف ظاہر ہے۔

کار کو ڈرائیور سے پرکھیئے:

اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ مرسیڈیز کار کا نیا ماڈل کیسا ہے اور ایک ایسا شخص جو ڈرائیونگ نہیں جانتا سٹیرنگ پر بیٹھ جائے اور گاڑی کہیں دے مارے تو آپ کس کو الزام دیں گے؟ کار کو یا ڈرائیور کو؟ فطری بات ہے کہ آپ ڈرائیور کو الزام دیں گے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ کار کتنی اچھی ہے، ڈرائیور کو نہیں بلکہ کار کی صلاحیت اور اسکے مختلف پہلوؤں کو دیکھنا چاہیئے کہ یہ کتنی تیز چلتی ہے، ایندھن کتنا استعمال کرتی ہے، کتنی محفوظ ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح اگر یہ ابت محض دلیل کے طور پر مان بھی لی جائے کہ مسلمان خراب ہیں تگو بھی ہم اسلام کو اس کے پیروکاروں سے نہیں جانچ سکتے۔ اگر آپ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کتنا اچھا ہے تو اُسے اس کے مستند ذرائع سے پرکھیں، یعنی قرآن مجید اور صحیح احادیث سے!

اسلام کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ گرامی سے پرکھیں:

اگر آپ عملی طور پر یہ دیکھنا چاہیں کہ کار کتنی اچھی ہے تو اس کے سٹیرنگ وہیل پر کسی ماہر ڈرائیور کو بٹھائیں، اسی طرح یہ دیکھنے کے لیے کہ اسلام کتنا اچھا دین ہے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے آخری پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سامنے رکھ کر دیکھیں، مسلمانوں کے علاوہ بہت سے دیانتدار اور غیر متعصب غیر مسلم مؤرخون نے علانیہ کہا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بہترین انسان تھے، مائیکل ایچ ہارٹ نے "تاریخ پر اثر انداز ہونے والے سو انسان" کے عنوان سے کتاب لکھی جس میں سر فہرست پیغمبر اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اسم گرامی ہے، غیر مسلموں کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں انھوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بہت تعریف کی ہے، مثلاً تھامس کالائل، لامارٹن وغیرہ۔

اعتراضات کے جوابات۔ اعتراض 21

کیا الٹراسونوگرافی قرآنی آیات کی نفی کرتی ہے؟

"قرآن کریم کہتا ہے کہ کسی ماں کے رحم میں موجود بچے کی جنس صرف اللہ ہی کو معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اب سائنس ترقی کر چکی ہے اور ہم بآسانی الٹراسونوگرافی کے ذریعے سے جنین کی جنس کا تعین کر سکتے ہیں۔ کیا یہ آیت قرآنی میڈیکل سائنس سے متصادم نہیں؟"

علم غیب صرف اللہ جانتا ہے:

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کا یہ دعوٰی ہے کہ صرف اللہ ہی رحم مادر میں جنین کی جنس کو جانتا ہے، اس سلسلے میں قرآن مجید کہتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ و (۳٤)

"بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہے۔"

)سورۃ لقمان 31 آیات 34)

اس طرح کا ایک پیغام مندرجہ ذیل آیات میں دیا گیا ہے:

اللہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کلُّ اُنثیٰ وَمَا تَغِیضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَکلُّ شَیْءٍ عِندَہُ بِمِقْدَارٍ(۸)

"اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ ہر مادہ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے۔ اور ارحام کی کمی بیشی بھی، اور اس کے ہاں ہر چیز کی مقدار) مقرر) ہے۔

)سورۃ الرعد 13 آیت 8)

الٹراسونو گرافی سے جنس کا تعین:

موجودہ سائنس ترقی کر چکی ہے اور ہم الٹراسونو گرافی (Ultrasonography) کی مدد سے حاملہ خاتون کے رحم میں بچے کی جنس کا تعین بآسانی کر سکتے ہیں۔

قرآن اور جنین کی جنس:

یہ درست ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت کے متعدد تراجم اور تشریحات میں یہ کہا گیا ہے کہ صرف اللہ ہی یہ جانتا ہے کہ رحم مادر میں موجود بچے کی جنس کیا ہے۔ لیکن اگر آپ اس آیت کا عربی متن پڑھیں تو آپ دیکھیں گے کہ انگریزی کے لفظ جنس (Sex) کا کوئی متبادل عربی لفظ استعمال نہیں ہوا۔ درحقیقت قرآن کریم جو کچھ کہتا ہے، وہ یہ ہے کہ ارحام میں کیا ہے) وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ)، اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔

* یہ آیت صرف جنین کی جنس کی طرف اشارہ نہیں کرتی بلکہ اس کا اشارہ اس طرف بھی ہے کہ رحم مادر میں موجود بچے کی فطرت کیسی ہو گی۔ کیا وہ اپنے ماں باپ کیلئے بابرکت اور باسعادت ہو گا یا باعث زحمت ہو گا؟
* کیا وہ معاشرے کے لیے باعث رحمت ہو گا یا باعث عذاب؟ کیا وہ نیک ہو گا یا بد؟
* کیا وہ جنت میں جائے گا یا جہنم میں؟

ان تمام باتوں کا مکمل علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے، دنیا کا کوئی سائنس دان، خواہ اس کے پاس کیسے ہی ترقی کے آلات کیوں نہ ہوں، رحم مادر میں موجود بچے کے بارے میں کبھی ان باتوں کا صحیح جواب نہیں دے سکے گا۔

)حاشیہ:

ابتدائی مراحل میں جب نطفہ اور علقہ رحم مادر میں ہوتا ہے تو کوئی سائنسدان بھی اس کا تعین نہیں کر سکتا کہ اس کی جنس کیا ہے۔ پھر آلات کے ذریعے سے معلوم کرنا تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی آپریشن کر کے کہے کہ مجھے اس کی جنس معلوم ہو گئی ہے، حالانکہ یہ اسباب کے بغیر معلوم کیے کی نفی ہے۔ اور ایسے واقعات بھی سننے میں آئے ہیں کہ ڈاکٹر کی رپورٹ کے خلاف نتیجہ نکلا ہے، یعنی ڈاکٹری رپورٹ حتمی اور یقینی نہیں۔

اعتراضات کے جوابات۔اعتراض 22

اسلام کا نظامِ وراثت غیر منصفانہ کیوں؟

"اسلامی قوانینِ وراثت میں عورت کا حصہ مرد کی نسبت آدھا کیوں ہے؟"

قرآن عظیم میں بہت سی آیات ہیں جن میں ورثے کی جائز تقسیم سے متعلق احکام بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً:

1)سورۃ بقرہ آیات :180اور 240

2)سورۃ النساء آیات :9-7اور آیات 19اور 33

3)سورۃ مائدہ آیات :106تا108

رشتہ داروں کا وراثت میں مخصوص حصہ:

قرآن مجید میں 3آیات ہیں جو واضح طور پر قریبی رشتہ داروں کے وراثت میں مقررہ حصے بیان کرتی ہیں، جن میں سے دو درج زیل ہیں:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (١١) وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ (١٢)

"اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے: مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ پھر اگر) دو یا) دو سے زیادہ عورتیں ہی ہوں تو ان کے لیئے ترکے میں دو تہائی حصہ ہے۔ اور اگر ایک ہی بیٹی ہو تو اس کے لیئے آدھا حصہ، اور اس) مرنے والے) کے والدین میں سے ایک کے لیئے ترکے میں چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو، لیکن اگر اس کی اولاد نہیں اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیئے تیسرا حصہ ہے اور اس کے) ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیئے چھٹا حصہ ہے۔) یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض کی ادائیگی کے بعد ہو گی۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے والدین یا اولاد میں سے کون بلحاظ نفع تمہارے زیادہ قریب ہے۔ یہ) اللہ) کی طرف سے مقرر ہے۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔ اور جو کچھ تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اس میں تمہارا نصف حصہ ہے اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو، لیکن اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو ان کے ترکے میں تمہارا چوتھا حصہ ہے ہ۔) یہ تقسیم) ان کی وصیت پر عمل یا قرض کی ادائیگی کے بعد ہو گی۔ اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکے میں تمہاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے، لیکن اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکے میں ان کا آٹھواں حصہ ہے۔) یہ تقسیم) تمہاری وصیت پر عمل یا ادائیگی قرض کے بعد ہو گی۔ اور اگر وہ آدمی جس کا ورثہ تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اُس کا بیٹا نہ ہو باپ، یا ایسی ہی عورت ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیئے چھٹا حصہ ہے۔ لیکن اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔) یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہو گی جبکہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے تاکید ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑے حوصلے والا ہے۔

)سورۃ النساء، ایات 11و12)

مزید فرمایا:

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (١٧٦)

"اے نبی (ﷺ)! (لوگ آپ سے فتوی مانگتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ (خود) تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوی دیتا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہو گا اگر اس کے اولاد نہ ہو پس اگر بہن دو ہوں تو انہیں کل چھوڑے ہوئے کا دو تہائی ملے گا اور کئی شخص اس ناطے کے ہیں مرد بھی عورتیں بھی تو مرد کے لئے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم بہک جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

)سورۃ النساء 4 آیت 176)

عورت کا حصہ برابر بلکہ "دوگنا" بھی ہو سکتا ہے:

وراثت کلی اکثر صورتوں میں عورتوں کو مردوں کا نصف ملتا ہے، تاہم یہ ہمیشہ نہیں ہوتا۔ اگر مرنے والے کے ماں باپ یا کوئی بیٹا بیٹی نہ ہوں لیکن اخیافی)ماں کی طرف سے سگے) بائی اور بہن ہوں تو دونوں میں سے اہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر مرنے والے نے بچے چھوڑے ہوں تو ماں اور باپ دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

بعض صورتوں میں ایک عورت کو مرد کی نسبت دوگنا حصہ بھی مل سکتا ہے۔ اگر مرنے والی عورت ہو اور اس کے بچے اور بھائی بہن نہ ہوں۔ اور اس کا شوہر اور ماں باپ وارث ہوں تو شوہر کو آدھی جائیداد جبکہ ماں ماں کو تیسرا حصہ اور باپ کو باقی چھٹا حصہ ملے گا۔

اس معاملے میں بھی ماں کا حصہ باپ سے دوگنا ہے۔

مردوں کی نسبت خواتین کا حصہ نصف کب ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ عام قاعدے کے مطابق عورتیں مرد کی نسبت وراثت میں آدھا حصہ لیتی ہیں، مثلاً درج ذیل صورتوں میں:

بیٹی کو وراثت میں بیٹے سے نصف ملے گا۔
عورت کو آٹھواں حصہ ملے گا اور شوہر کو چوتھا، اگر مرنے والے/والی اولاد ہو۔
عورت کو چوتھا حصہ اور شوہر کو آدھا ملے گا اگر مرحوم/مرحومہ کی اولاد نہ ہو۔
اگر مرنے والے کے ماں باپ یا اولاد نہ ہو تو بہن کو بھائی کے کل ترکے کا نصف ملے گا۔
مرد کا حصہ دوگنا کیوں؟

اسلام میں خاندان کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ شادی سے پہلے باپ یا بھائی کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کی رہائش، لباس اور دوسری مالی ضروریات پوری کرے اور شادی کے بعد یہ ذمہ داری شوہر یا بیٹے کی ہے۔ اسلام مرد کو پابند کرتا ہے کہ وہ خاندان کی مالی ضروریات کا ذمہ دار ہے۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیئے اس وراثت میں دوگنا حصہ ملتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص ڈیڑھ لاکھ روپیہ چھوڑ کر مر جائے جس کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہو تو بیٹے کو ایک لاکھ اور بیٹی کو 50 ہزار ملیں گے۔ ایک لاکھ روپے جو بیٹے کو ورثے میں ملیں گے وہ ان میں خاندان کی کفالت کا ذمہ دار ہے۔ اور ہو سکتا ہے وہ خاندان پر تمام رقم یا یوں کہیئے 80 ہزار روپے خرچ کردے۔ یوں در حقیقت اسے ورثے میں سے بہت کم حصہ ملے گا، یعنی 20 ہزار روپے، دوسری طرف بیٹی جس کو 50 ہزار ملیں گے وہ کسی پر ایک روپیہ بھی خرچ کرنے کی پابند نہیں۔ وہ تمام رقم خود رکھ سکتی ہے، کیا آپ وہ ایک لاکھ روپے لینے کو ترجیح دیں گے جن میں سے آپ کو 80 ہزار روپے یا زائد رقم اوروں پر خرچ کرنی پڑے یا وہ 50 ہزار روپے لیں گے جو مکمل طور پر آپ ہی کے ہوں؟

اعتراضات کے جوابات ۔ اعتراض 23

کیا موجودہ قرآن اصلی ہے؟

"کیا ایسا نہیں کہ قرآن کے متعدد نسخے موجود تھے جنھیں حضرت عثمان (رضی اللہ تعالی عنہ) کے حکم سے جلاڈالا گیا اور صرف ایک نسخہ باقی رہنے دیا گیا اور اسی طرح کیا یہ درست نہیں کہ موجودہ قرآن کریم وہ ہے جس کی تدوین حضرت عثمان (رضی اللہ تعالی عنہ) نے کی اور یہ اصلاً وہ نہیں جو اللہ تعالی کی طرف سے وحی کیا گیا؟"

قرآن کریم کے بارے میں بعض بے بنیاد تصورات میں سے ایک تصور یہ ہے کہ تیسرے خلیفہء اسلام حضرت عثمان (رضی اللہ تعالی عنہ) نے بہت سے باہم متضاد نسخوں میں سے قرآن کریم کے ایک نسخے کی توثیق اور تدوین کی، حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم جو آج بطور کلام الہی دنیا بھر کے مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز ہے، وہی قرآن کریم ہے جو حضرت محمد (ﷺ) پر نال ہوا۔ آپ (ﷺ) نے اپنی ذاتی نگرانی میں اس کی کتابت کرائی اور بنفس نفیس اس کی توثیق فرمائی، آیئے! اس بے بنیاد تصور کی حقیقت کا جائزہ لیں جس کے مطابق دعوٰی کیا جاتا ہے کہ قرآن کی تدوین و توثیق حضرت عثمان (رضی اللہ تعالی عنہ) کی طرف سے کی گئی۔

نبوی سرپرستی مین تدوینِ قرآن:

جب بھی نبی کریم (ﷺ) پر وحی نازل ہوتی، سب سے پہلے آپ اسے زبانی یاد کرتے اور اس کے بعد صحابہ (رضوان اللہ تعال علیھم اجمعین) کو سناتے اور ہدایت فرماتے کہ جو اسے حفظ کرے گا۔ اللہ تعالی اس سے راضی ہو گا۔ آپ بلاتاخیر کاتبانِ وحی کو حکم دیتے کہ نازل ہونے والی وحی کو لکھ لیں۔

اس ے بعد بذاتِ خود ان سے سن کر اس کی توثیق فرماتے، نبی کریم (ﷺ) اُمی تھے اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، لہذاہر نزولِ وحی کے بعد آپ (ﷺ) اپنے صحابہ کے سامنے اسے دہراتے تھے، وہ بذریعہ وحی نازل ہونے والی آیات لکھ لیا کرتے تھے اور نبی کریم (ﷺ) تحریر کردہ آیات کی صحت کا جائزہ لینے کے لیے صحابہ سے فرماتے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے پڑھ کر سناؤ اگر اس میں کوئی غلطی ہوتی تو نبی کریم (ﷺ) اس کی نشاندہی فرماتے، اس کی تصحیح کراتے اور دوبارہ اس کی پڑتال فرماتے، اسی طرح آپ (ﷺ) اپنے صحابہ (رضوان اللہ تعالی علیھم اجمعین) کی حفظ کردہ آیاتِ قرآنی اور سورتیں ان سے سنا کرتے اور ان کی توثیق فرماتے تھے۔ اسی طریقے سے پورے قرآن کریم کی کتابت نبی کریم (ﷺ) کی ذاتی نگرانی میں انجام دی گئی۔

ترتیب قرآن وحی الہی کے مطابق ہے:

پورا قرآن کریم ساڑھے بائیس برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نازل ہوا، نبی کریم (ﷺ) نے قرآن مجید کی تدوین وحی کی زمانی ترتیب کے مطابق نہیں فرمائی، قرآنی آیات اور سورتوں کی ترتیب وحی الہی کے تحت قائم کی گئی اور اللہ جانب سے اس کا حکم حضرت

جبرائیل (علیہ السلام) کے ذریعے سے نبی کریم (ﷺ) تک پہنچایا گیا۔ جب بھی نازل شدہ آیات صحابہ کرایم (رضوان اللہ تعالی علیھم اجمعین) کو سنائی جاتیں تو نبی کریم (ﷺ) یہ بھی فرمادیتے کہ نازل ہونے والی آیات کو کون سی سورت میں اور کن آیات کے بعد شامل کیا جائے۔

ہر رمضان میں نبی کریم (ﷺ) قرآن کے نازل شدہ حصوں کی، ترتیبِ آیات کے ساتھ، دہرائی فرماتے اور توثیق جبرائیل امین کے ذریعے سے کیا کرتے تھے۔ آپ (ﷺ) کی وفات سے قبل آخری رمضان المبارک میں قرآن کریم کی تصدیق و توثیق دو مرتبہ انجام دی گئی۔ لہذا یہ بات بالکل واضح ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے اپنی زندگی میں خود قرآن کریم کی تدوین اور توثیق فرمائی اور یہ تدوین و توثیق قرآن مجید کی کتابت اور آپ کے متعدد صحابہ کرایم (رضوان اللہ تعالی علیھم اجمعین) کے حفظ قرآن، دونوں صورتوں میں ہوئی۔

کتابتِ قرآن کی تکمیل عہدِ نبوی میں ہوئی:

نبی کریم (ﷺ) کی زندگی میں مکمل قرآن مجید، آیات کی صحیح ترتیب اور سیاق و سباق کے ساتھ موجود تھا، تاہم اس کی آیات الگ الگ چمڑے کے ٹکڑوں، پتلے ہموار پتھروں، درختوں کے پتوں، کھجور کی شاخوں اور اونٹ کے شانوں کی ہڈیوں وغیرہ پر تحریر کی گئی تھیں۔

آپ (ﷺ) کے وصال کے بعد پہلے خلیفہ اسلام حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ تعالی عنہ) کے حکم پر مختلف اشیاء پر لکھے گئے قرآن کے حصوں کو ایک چیز پر تحریر کر کے یکجا کر دیا گیا اور یہ اوراق کی صورت میں تھا، اور ان اوراق کو ڈوریوں کے ساتھ باندھ دیا گیا تاکہ جمع شدہ قرآن کا کوئی حصہ کم نہ ہونے پائے، قرآن پاک کا یہ نسخہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ تعالی عنہ) کے پاس رہا حتی کہ انھوں نے وفات پائی، پھر حضرت عمر) رضی اللہ تعالی عنہ) کے دور حکومت میں ان کے پاس تھا، پھر یہ نسخہ ام المؤمنین حضرت حفصہ) رضی اللہ تعالی عنہ) کی تحویل میں رہا لیکن اس کی اشاعت نہیں ہوئی۔

(صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب جمع القرآن، حدیث 4986)

نقول قرآن:

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان (رضی اللہ تعالی عنہ) کے دور میں قرآن مجید کے بعض الفاظ کے املاء اور تلفظ کے بارے میں اختلاف نے سر اٹھایا۔ املاء اور تلفظ کے اختلاف سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ مگر تو مسلم عجمیوں کے لیئے اس کی بڑی اہمیت ہو گئی۔ ہر جگہ لوگ اپنی قرأت کو صحیح اور دوسروں کی قرأت کو غلط قرار دینے لگے، اسی لیے حضرت عثمان (رضی اللہ تعالی عنہ) نے ام المؤمنین حضرت حفصہ (رضی اللہ تعالی عنہا) سے قرآن مجید کا اصل نسخہ مستعار لیا جس کے متن کی توثیق نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمائی تھی۔ حضرت عثمان (رضی اللہ تعالی عنہ) نے اللہ کے رسول کے فرمان کے مطابق قرآن کی کتابت کرنے والے چار صحابیوں کو، جن کی قیادت زید بن ثابت (رضی اللہ تعالی عنہ) کے سپرد ہوئی، یہ حکم دیا کہ وہ مکمل قرآن مجید کی متعدد نقول تیار کریں، حضرت عثمان (رضی اللہ تعالی عنہ) نے یہ نقول مسلمانوں کے بڑے بڑے مراکز میں بھجوا دیں۔

بعض لوگوں کے پاس قرآن کے بعض حصوں کے ذاتی مجموعے موجود تھے، عین ممکن تھا کہ یہ نامکمل ہوں اور ان میں غلطیاں بھی موجود ہوں، چنانچہ حضرت عثمان (رضی اللہ تعالی عنہ) نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ ایسی تمام نقول نذر آتش کر دیں جو اصل نسخۂ قرآنی سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں تاکہ قرآن کا اصل متن محفوظ کیا جا سکے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے توثیق شدہ اصل قرآن کے متن سے نقل کردہ قرآن کی دو ایسی نقول آج بھی دستیاب ہیں، ان میں ایک تاشقند)ازبکستان) کے عجائب گھر میں اور دوسری استنبول) ترکی) کے توپ کاپی عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

اِعرابِ قرآن:

قرآن مجید کے اصل مسودے میں حرکات اور اعراب کی علامتیں ظاہر نہیں کی گئی تھیں۔ ان میں تین اہم علامتوں کو اردو زبان میں زبر، زیر، پیش اور عربی مں فتحہ، ضمہ، اور کسرہ کہا جاتا ہے، شد، مد اور جزم وغیرہ ان کے علاوہ ہیں، عربوں کو قرآن مجید کے صحیح تلفظ کی ادائیگی کے لے ان علامات کی کوئی حاجت نہیں تھی کیونکہ عربی ان کی مادری زبان تھی، تاہم غیر عرب مسلمانوں کے لیئے اعراب کے بغیر قرآن کی صحیح تلاوت مشکل تھی، چنانچہ یہ علامتیں، بنو امیہ کے پانچویں خلیفہ عبد الملک بن مروان کے عہد (66ھ تا 86ھ

بمطابق 685ءتا705ء)اور عراق میں حجاج کی گورنری کے دور میں قرآنی رسم الخط میں شامل کی گئیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا موجودہ متن جس میں حرکات اور اعراب شامل ہیں، نبیؐ کریم (ﷺ) کے دور کا اصل قرآن نہیں ہے لیکن وہ اس حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ قرآن کا لغوی مطلب تلاوت یا بار بار پڑھی جانے والی چیز ہے۔ لہذا قطع نظر اس سے کہ رسم الخط مختلف ہے یا یہ کہ اس میں حرکات وغیرہ شامل کر دی گئی ہیں، اہم بات قرآن کریم کی تلاوت کی صحت ہے، اگر عربی متن اور اس کا تلفظ وہی ہے جو ابتداء میں تھا تو لازمی طور پر اس کے معانی بھی وہی رہیں گے۔

حفاظتِ قرآن:

اللہ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ خود فرمایا ہے، ارشاد باری تعالٰی ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (۹)

"بلاشبہ ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

)سورۃ الحجر 15 آیت 9)

اعتراضات کے جوابات۔اعتراض 24

کیا یہ زمین چپٹی اور ہموار ہے؟

"قرآن یہ کہتا ہے کہ زمین کو تمہارے لیئے بچھونا بنادیا گیا ہے۔اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ زمین چپٹی اور ہموار ہے۔کیا یہ بات مسلمہ جدید سائنسی حقائق کے منافی نہیں؟"

اس سوال میں قرآن کریم کی سورہ نوح کی ایک آیت کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا(۱۹)

"اور اللہ نے تمہارے لیئے زمین کو بچھونا بنایا ہے۔"

(سورۃ نوح 71 آیت 19)

لیکن مندرجہ بالا آیت کا جملہ مکمل نہیں،جملہ اس سے اگلی آیت میں جاری ہے جو پچھلی ایات کی وضاحت کرتا ہے۔اس میں ارشاد ہے۔:

لِتَسْلُکُوْا مِنْھَا سُبُلًا فِجَاجًا(۲۰)

"تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں پر چل سکو۔"

)سورۃ نوح 71 آیت 20)

اسی طرح کا ایک پیغام سورۃ طٰہٰ میں دہرایا گیا ہے:

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا وَّسَلَکَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا(۵۳)

"وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور تمہارے چلنے کے لیئے اس میں راستے بنائے۔"

)سورۃ طٰہٰ 20 آیت 53
زمین کی بالائی تہہ یا قشرِ ارض کی موٹائی 30 میل سے بھی کم ہے اور اگر اس کا موازنہ زمین کے نصف قطر سے کیا جائے جس کی لمبائی 3750 میل ہے تو قشر ارض بہت ہی باریک معلوم ہوتا ہے۔ زیادہ گہرائی میں واقع زمین کی تہیں بہت گرم، سیال اور ہر قسم کی زندگی کے لیئے ناسازگار ہیں، قشر ارض کا ٹھوس صورت اختیار کر لینے والا وہ خول ہے جس پر ہم زندہ رہ سکتے ہیں، لہذا قرآن مجید بجا طور پر اس کو ایک بچھونے یا قالین سے مشابہ قرار دیتا ہے تا کہ ہم اس کی شاہراہوں اور راستوں پر سفر کر سکیں۔

قرآن کے مطابق زمین چپٹی نہیں:

قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں جس میں یہ کہا گیا ہو کہ زمین مستوی یا چپٹی ہے۔ قرآن صرف قشرِ زمین کو قالین سے تشبیہ دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک قالین صرف قطعی ہموار زمین ہی پر بچھایا جا سکتا ہے، حالانکہ کرہ ارض جیسے بڑے کرے پر بھی قالین بچھانا ممکن ہے اور اس کا مظاہرہ زمین کے گلوب کا ایک بہت بڑا نمونہ لے کر اور اس پر قالین بچھا کر بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ قالین بالعموم ایک ایسی سطح پر بچھایا جاتا ہے جس پر بصورت دیگر سہولت سے نہ چلا جا سکتا ہو۔ قرآن مجید قشر زمین کا ذکر بطور قالین کرتا ہے جس کے نیچے گرم، سیال اور مانع حیات ماحول پایا جاتا ہے۔ قشر زمین کی صورت میں بچھائے گئے قالین کے بغیر بنی نوع انسان کا زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا، لہذا قرآن کریم کا بیان نہ صرف عین منطق کے مطابق ہے بلکہ اس میں ایک ایسی حقیقت بھی بیان کر دی گئی ہے جسے صدیوں بعد ماہرین ارضیات نے دریافت کیا۔

کشادہ فرشِ ارضی:

قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ فرمایا گیا ہے کہ زمین بچھا دی گئی ہے، حکم ربانی ہے:

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ (٤٨)

"ہم نے زمین کو) قالین کی طرح) بچھا دیا ہے، سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں۔"

(سورۃ الذاریات 51 آیت 48)

اسی طرح قرآن کریم کی متعدد دوسری آیات میں زمین کو کشادہ بچھونا یا فرش کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (٦) وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا (٧)

"کیا ہم نے زمین کر فرش نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو) اس میں) میخیں) نہیں بنایا؟)"

)سورۃ النباء 78 آیت 6 تا(7

قرآن کریم کی کسی ایت میں معمولی سا اشارہ بھی نہیں کیا گیا کہ زمین چپٹی اور ہموار ہے۔ آیات سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زمین وسیع اور کشادہ ہے اور اس وسعت و کشادگی کی وجہ بیان کردی گئی ہے قرآن عظیم میں ارشاد ہے:

يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ (٥٦)

"اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! بے شک میری زمین بڑی وسیع ہے، پس میری ہی عبادت کرو۔"

(سورۃ العنکبوت 29 آیت 56)

)حاشیہ: لہذا کوئی شخص یہ عذر پیش نہیں کر سکتا کہ وہ نیکی نہیں کر سکا اور وہ برائیوں کے ارتکاب پر مجبور تھا کیونکہ اس کے ارد گرد کا ماحول اور حالات سازگار نہیں تھے۔)

اعتراضات کے جوابات۔ اعتراض 25

کیا قرآن، بائبل کی نقل ہے؟

"کیا یہ درست نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قرآن، بائبل سے نقل کیا ہے؟"

بہت سے ناقدین یہ الزام لگاتے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے یہ قرآن خود تصنیف کیا بلکہ انہوں نے اسے دوسرے انسانی ذرائع یا سابقہ الہامی کتب سے اخذ کیا ہے۔ان کے اعترافات اس نوع کے ہیں:

رومی لوہار کی حقیقت

بعض مشرکین نے نبی کریم (ﷺ) پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے قرآن کریم مکہ کے نواح میں مقیم ایک رومی لوہار سے سیکھا جو مذہباً عیسائی تھا۔ نبی کریم (ﷺ) اکثر اسے کام کرتے ہوئے دیکھنے جایا کرتے تھے۔ ایک وحیٔ قرآن ہی اس الزام کو مسترد کردینے کیلئے کافی تھی۔ سورۃ نحل میں فرمایا گیا۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ (١٠٣)

"اور ہمیں بخوبی علم ہے کہ وہ کہتے ہیں) یقیناً) اس نبی کو ایک آمدی سکھاتا ہے۔اس کی زبان جس کی طرف یہ غلط نسبت کرتے ہیں، عجمی ہے جبکہ یہ) قرآن) تو فصیح عربی زبان ہے۔"

)سورۃ النحل 16 آیت 103)

ایک ایسا شخص جس کی مادری زبان غیر ملکی تھی اور جو عربی کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بمشکل عربی میں بات کر سکتا تھا۔قرآن مجید کا ماخذ کیسے بن سکتا تھا جو خالص، فصیح و بلیغ اور شستہ عربی زبان ہے؟ یہ سمجھنا کہ کسی لوہار نے) نعوذ باللہ) نبی اکرم (ﷺ) کو قرآن سکھایا، ایسے ہی ہے جیسے کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ چین سے انگلستان نقل مکانی کرنے والے ایک شخص نے جو مناسب انگریزی بھی نہیں جانتا تھا، شیکسپیئر کو پڑھایا لکھایا۔

ورقہ بن نوفل کا کردار:

محمد (ﷺ) نے خدیجہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کے رشتے دار ورقہ بن نوفل سے پڑھا، حالانکہ محمد (ﷺ) کے یہودی اور عیسائی علماء سے روابط بہت محدود تھے۔آپ (ﷺ) جس نمایاں ترین عیسائی سے واقفیت رکھتے تھے وہ ورقہ بن نوفل نامی نابینا شخص تھے جو نبی کریم (ﷺ) کی پہلی زوجہ

محترمہ حضرت خدیجہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کے ایک رشتے دار تھے، وہ اگرچہ عربی النسل تھے لیکن انہوں نے عیسائی مذہب اپنا لیا تھا اور وہ عہد نامہ جدید سے اچھے خاصے واقف تھے۔ نبی کریم (ﷺ) کی صرف دو بار ان سے ملاقات ہوئی، پہلی مرتبہ اس وقت جب ورقہ (اعلان نبوت سے قبل) کعبۃ اللہ میں عبادت کر رہے تھے اور انھوں نے نبی کریم (ﷺ) کی پیشانی پر وفور محبت سے بوسہ دیا، دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب نبی کریم (ﷺ) پہلی وحی کے نزول کے بعد ورقہ بن نوفل سے ملنے گئے۔ اس واقعے کے تین سال بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ جبکہ نزول کا سلسلہ تقریباً 23 برس جاری رہا۔ یہ مفروضہ کہ قرآن مجید کی وحی کا ذریعہ ورقہ بن نوفل تھے، قطعی مضحکہ خیز مفروضہ ہے۔

اہل کتاب سے مذہبی بحثیں:

یہ بات درست ہے کہ نبی کریم (ﷺ) کی یہودیوں اور عیسائیوں سے بحثیں ہوئیں لیکن یہ بحثیں نزول وحی کے 13 برس سے زیادہ عرصے کے بعد مدینہ منورہ میں وقوع پذیر ہوئیں۔ یہ الزام کہ یہودی اور عیسائی قرآن کا ماخذ تھے، ایک بیہودہ الزام ہے کیونکہ محمد رسول اللہ () تو ان بحثوں میں ایک معلم اور مبلغ کا کردار ادا کر رہے تھے اور انہیں قبول اسلام کی دعوت دیتے ہوئے یہ نشاندہی کر رہے تھے کہ وہ توحید کے بارے میں اپنے دین کی حقیقی تعلیمات سے منحرف ہو گئے ہیں۔ ان میں سے متعدد یہودیوں اور عیسائیوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔

پیغمبر (ﷺ) کا عجمیوں سے قرآن مجید سیکھنا۔

تمام دستیاب تاریخی شواہد سے یہ ثابت ہے کہ محمد (ﷺ) نے نبوت سے قبل مکہ سے باہر کے صرف تین سفر کیے:

1) 9 برس کی عمر میں آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ یثرب (مدینہ) تشریف لے گئے۔

2) 9 برس اور 12 برس کی عمر کے درمیان آپ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ تجارتی سفر پر شام گئے۔

3) 25 برس کی عمر میں آپ حضرت خدیجہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کا تجارتی قافلہ لے کر شام تشریف لے گئے۔

یہ فرض کر لینا کہ مذکورہ تین سفروں کے دوران میں عیسائیوں اور یہودیوں سے عمومی گفتگوؤں اور ملاقاتوں کے نتیجے میں قرآن وجود میں آگیا، ایک بے بنیاد اور خیالی بات ہے۔

ماخذِ قرآن:

نبی مکرم (ﷺ) نے قرآن کریم کو یہودیوں اور عیسائیوں سے ہر گز نہیں سیکھا، نبی کریم (ﷺ) کی روز مرہ کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک وحی کے ذریعے سے لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ نبی (ﷺ) کو اپنے گھر میں علیحدگی (پرائیویسی) کا موقع دیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (٤) وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (٥)

"بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اور اگر بے شک وہ صبر کرتے حتی کہ آپ خود ہی ان کی طرف نکلتے تو ان کے لیئے بہتر ہوتا، اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

)سورۃ الحجرات 49 آیات 4 تا(5

اگر نبی کریم (ﷺ) ایسے لوگوں سے مل رہے ہوتے جو کفار کے دعوے کے مطابق انہیں وہ کلمات بتاتے تھے جنہیں وحی کے طور پر پیش کیا گیا تو یہ بات زیادہ دیر تک چھپی نہ رہتی۔

قریش کے انتہائی ممتاز سردار جنہوں نے رسول اللہ (ﷺ) کی پیروی کی اور اسلام قبول کیا، اتنے ذہین اور دانشمند تھے کہ جس ذریعے سے پیغمبر ان کے پاس وحی لے کر آتے تھے اس کے

متعلق اگر وہ کوئی بات مشکوک پاتے تو بآسانی بھانپ سکتے تھے، پھر یہ کوئی مختصر وقت کی بات نہیں تھی، نبی (ﷺ) کی دعوت اور تحریک 23 برس تک جاری رہی، اس دوران میں کبھی کسی کو اس طرح کا شک نہ گذرا۔

رسول کریم (ﷺ) کے دشمن اپنا یہ دعوٰی ثابت کرنے کے لیے مسلسل ٹوہ میں لگے رہتے تھے۔ کہ نبیؐ کریم ﷺ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں لیکن وہ اس بات کے حق میں ایک بھی مثال پیش نہ کر سکے کہ کبھی آپ نے مخصوص یہودیوں اور عیسائیوں سے کوئی خفیہ ملاقات کی ہو۔

یہ بات بھی ناقابل تصور ہے کہ کوئی شخص ایسی صورت حال قبول کر سکتا ہے کہ وہ قرآن وضع کرے لیکن اس کا کوئی کریڈٹ بھی نہ لے، لہذا تاریخی اور منطقی طور پر یہ دعوٰی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن کا کوئی انسانی ماخذ تھا۔

)حاشیہ: سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے قرآن سیکھا تھا تو پھر انہیں قبول قرآن میں تامل نہیں کرنا چاہیئے تھا جبکہ تایخ شاہد ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ہی آپ کی مخالفت کی جو آج تک جاری ہے۔

محمد (ﷺ) پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے:

یہ دعوٰی کہ محمد (ﷺ) نے خود قران تصنیف کیا یا اسے دوسرے ذرائع سے نقل کیا، محض اس ایک تاریخی حقیقت سے غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ (ﷺ) پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالی خود قرآن میں اس بات کی تصدیق فرماتا ہے۔ سورۃ عنکبوت میں ارشاد ہوا:

وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ (٤٨)

"اور) اے نبی!) آپ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے،) اگر ایسا ہوتا) تو باطل پرست یقیناً شک کر سکتے تھے۔۔

)سورۃ العنکبوت 29 آیت 48)

اللہ تعالی کو یہ علم تھا کہ بہت سے لوگ قرآن کے مستند ہونے پر شک کریں گے اور اسے محمد (ﷺ) کی ذات سے منسوب کریں گے۔ لہذا اللہ عالی نے اپنی ابدی حکمت سے ایک "اُمی" کو اپنا آخری نبی بنا کر بھیجا تاکہ باطپرستوں کے پاس نبی (ﷺ) پر شک کرنے کا کوئی معمولی سا جواز بھی باقی نہ رہنے دیا جائے۔ آپ () کے دشمنوں کا یہ الزام کہ آپ نے دوسرے ذرائع سے قرآن اخذ کیا اور پھر اسے خوبصورت عربی زبان میں ڈھال لیا، شاید کسی وزن کا حامل ہو سکتا تھا لیکن اس کمزور عذر کو بھی کافروں اور شک کرنے والوں پر الٹ دیا گیا۔ اللہ تعالی نے سورۃ الاعراف میں اس کی دوبارہ توثیق کرتے ہوئے فرماتا ہے:

الذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الأمِيَّ الذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيلِ (١٥٧)

) "متقی اور مومن) وہ لوگ ہیں جو اس رسول امی نبی) محمد (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں، جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔"

)سورۃ الاعراف 7 آیت 157)

اُمی نبی (ﷺ) کی آمد کی پیش گوئی بائبل میں:

اُمی نبی (ﷺ) کی آمد کی پیش گوئی بائبل کی کتاب یسعیاہ باب: 29 فقرہ 12 میں بھی موجود ہے:

"پھر وہ کتاب اسے دیں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اور کہیں، اسے پڑھ اور وہ کہے میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔) کتاب مقدس، یسعیاۃ: 29/12)

قرآن کریم کم از کم چار مقامات پر اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ نبی کریم (ﷺ) لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس امر کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیت: 158 اور سورۃ جمعہ کی آیت: 2 میں بھی کیا گیا ہے۔

بائبل کا عربی مسودہ:

نبی کریم (ﷺ) کے دور مبارک میں بائبل کا عربی زبان میں کوئی مسودہ موجود نہیں تھا۔ عہد نامہ عتیق(Old Testament) کا سب سے پہلا عربی نسخہ وہ ہے جو پادری سعادیاس گین(R. Saadias Gaon) نے 900 عیسوی میں تیار کیا، یعنی ہمارے پیارے نبی (ﷺ) کی رحلت کے تقریباً 250 برس بعد۔ عہد نامہ جدید(New Testament) کا سب سے قدیم عربی نسخہ اریپنئس (Erpenius) نے ہمارے نبی (ﷺ) کی وفات کے تقریباً ایک ہزار سال بعد 1616 عیسوی میں شائع کیا۔

قرآن اور بائبل کی یکسانیت:

قرآن اور بائبل میں پائی جانے والی یکساں باتوں سے لازمی طور پر یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ اول الذکر مؤخر الذکر سے نقل کیا گیا ہے۔ فی الحقیقت یہ اس بات کی شہادت ہے کہ یہ دونوں کسی تیسرے مشترک ذریعے پر مبنی ہیں۔ تمام صحائف ربانی کا منبع ایک ہی ذات، یعنی رب کائنات ہے، یہود و نصاریٰ کی کتب اور ان سے بھی قدیم آسمانی صحیفوں میں انسانی ہاتھوں سے کی جانے والی تحریفات کے باوجود، ان کے بعض حصے تحریف سے محفوظ رہے ہیں اور اسی لیے کہ وہ کئی مذاہب میں مشترک ہیں۔

یہ بات بھی درست ہے کہ قرآن اور بائبل میں بعض یکساں چیزیں موجود ہیں لیکن اس کی بنا پر محمد (ﷺ) پر یہ الزام لگانے کا کوئی جواز نہیں کہ انہوں نے بائبل سے کوئی چیز نقل کی یا اس سے اخذ کر کے قران مرتب کیا۔ اگر یہ منطق درست ہے تو یہ مسیحیت اور یہودیت پر بھی لاگو ہو گی اور غلط طور پر یہ دعویٰ بھی کیا جاسکے گا کہ یسوع مسیح (علیہ السلام) نعوذ باللہ) سچے نبی نہیں تھے اور انہوں نے محض عہد نامہ عتیق کی نقل کرنے پر اکتفا کیا۔

قرآن اور بائبل کے درمیان یکساں باتیں در حقیقت اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ان کا منبع مشترک، یعنی ذات حق تعالیٰ ہے۔ یہ توحید کے بنیادی پیغام کا تسلسل ہے اور یہ مفروضہ غلط ہے کہ بعد میں آنے والے انبیاء نے گزشتہ انبیاء کی باتیں ان سے مستعار لے لی ہیں۔

اگر کوئی امتحان میں نقل کر رہا ہوں تو وہ یقیناً اپنے پرچے میں یہ نہیں لکھے گا کہ میں نے اپنے پاس بیٹھے طالب علم زید بن بکر سے نقل کی ہے۔ جبکہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گزشتہ انبیائے کرام کا احترام کرتے اور ان کی عظمت بیان کرتے اور قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ مختلف انبیاء ورسل پر اللہ قادر مطلق کی طرف سے صحیفے نازل کئے گئے تھے۔

تمام آسمانی کتابوں پر ایمان:

اللہ تعالی کی چار کتابوں کا قرآن میں نام لے کر ذکر کیا گیا ہے۔ اور مسلمان ان سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ ہیں: تورات، زبور، انجیل اور قرآن

☆ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام (Moses) پر بصورت الواح (تختیاں) نازل کی گئی۔

☆ زبور حضرت داؤد علیہ السلام (David) پر اتری

☆ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام (Jesus) پر نازل ہوئی۔

☆ قرآن مجید وہ آخری کتاب ہے جس کا نزول اللہ کے آخری نبی اور خاتم النبیین حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ہوا۔

تمام نبیوں اور تمام الہامی کتابوں پر ایمان لانا ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے، تاہم موجودہ بائبل کے عہد نامہ عتیق کی پہلی پانچ کتابیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہیں، اور مزامیر (Psalms) حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں، مزید برآں عہد نامہ عتیق کی یہ کتابیں اور عہد نامہ جدید یا اس کی چار انجیلیں وہ تورات، زبور یا انجیل نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ موجودہ بائبل میں جزوی طور پر کلام خداوندی موجود ہو سکتا ہے لیکن یہ کتابیں یقیناً اپنی اصل حالت میں نہیں ہیں۔ نہ وہ پوری طرح صحیح ہیں اور نہ ان میں پیغمبروں پر نازل شدہ مکمل کلامِ وحی موجود ہے۔) حاشیہ: چار انجیلوں (Gospels) یعنی انجیل متی، انجیل لوقا، انجیل یوحنا، انجیل مرقس کی موجودگی سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انسانوں کی تصنیف کی ہوئی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ انجیل کا اب اپنی

اصل صورت میں کوئی وجود نہیں۔ یاد رہے متی (St. Mathew)، لوقا (St. Luke) یوحنا (St. John) اور مرقس (St. Mark) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے۔) محسن فارانی))

قرآن مجید تمام انبیاء ورُسل کو ایک ہی سلسلے سے متعلق قرار دیتا ہے اور ہمیں بتاتا ہے کہ ان سب کی نبوت کا ایک ہی نسب العین تھا اور ان کا بنیادی پیغام بھی ایک ہی تھا۔ اسی بنا پر قرآن کریم وضاحت کرتا ہے کہ بڑے بڑے مذاہب کی بنیادی تعلیمات باہم متضاد نہیں ہو سکتیں، باوجود اس کے کہ مختلف نبوتوں کے مابین قابل ذکر بُعدِ زمانی موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سب نبوتوں کا منبع صرف ایک تھا، یعنی اللہ جو قادر مطلق ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ مختلف ادیان کے درمیان جو اختلاف پائے جاتے ہیں ان کی ذمہ داری انبیاء پر نہیں بلکہ ان کے پیروکاروں پر عائد ہوتی ہے۔ جو سکھائے ہوئے علم کا ایک حصہ بھول گئے، مزید برآں انہوں نے الہامی کتابوں کی غلط تعبیر کی اور ان میں تحریف بھی کرڈالی، لہذا قرآن کریم کو ایک ایسی کتاب تصور نہیں کیا جا سکتا، جو موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر انبیاء کی تعلیمات کے مقابلے میں اتاری گئی ہے۔ اس کے برعکس یہ کتاب گزشتہ انبیاء کی طرف سے ان کی امتوں کی طرف لائے گئے پیغامات کی توثیق وتصدیق اور ان کی تکمیل کرتی اور انہیں نقطہء کام تک پہنچاتی ہے۔

قرآن کا ایک نام فرقان بھی ہے جس کا مطلب حق و باطل میں امتیاز کرنے کی کسوٹی یا معیار ہے اور قرآن ہی کی بنیاد پر ہم یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ سابقہ الہامی کتابوں کے کون سے حصے کو کلامِ الٰہی تصور کیا جا سکتا ہے۔

قرآن اور بائبل کے درمیان سائنسی بنیاد پر تقابل:

قرآن مجید اور بائبل کے سرسری مطالعے میں آپ کو متعدد ایسے نکات نظر آئیں گے جو دونوں میں قطعی یکساں معلوم ہوتے ہیں لیکن جب آپ بغور ان کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سراسر اختلاف پایا جاتا ہے۔ صرف تاریخی تفصیلات کی بنیاد پر کسی ایسے شخص کے لے جو مسیحیت یا اسلام میں سے اکیس کی تعلیمات پر عبور نہ رکھتا ہوں، یہ فیصلہ کرنا سخت مشکل ہوگا کہ دونوں الہامی کتب میں سے صحیح کون سی ہے؟ تاہم اگر آپ دونوں کتابوں کے متعلقہ

اقتباسات کو سائنسی علوم کے معیار پر پرکھنے کی کوشش کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ سچ کیا ہے۔ ذیل میں دی گئی چند مثالوں سے آپ حقیقت حال سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

☆ بائبل اور کائنات کی تخلیق: بائبل کی پہلی کتاب پیدائش (Genesis) کے باب اول میں لکھا ہے کہ کائنات چھ دنوں میں پیدا کی گئی اور ہر دن سے مراد 24 گھنٹے کا دورانیہ ہے۔ اگرچہ قرآن مجید میں بھی یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ کائنات چھ "ایام" میں پیدا کی گئی لیکن قرآن کے مطابق یہ "ایام" سالہا سال طویل ہیں۔ اس لفظ "یوم" کے دو معنی ہیں، اول یہ کہ دن سے مراد معمول کے 24 گھنٹے کا دن ہے اور دوم اس سے مراد ایک مرحلہ، یا ایک دور یا ایک ایسا عہد جو بہت طویل زمانے پر مشتمل ہو۔

جب قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ کائنات چھ دنوں میں پیدا کی گئی تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کو چھ طویل ادوار یا زمانوں میں پیدا کیا گیا۔ سائنسدانوں کو اس بیان پر کوئی اعتراض نہیں، کائنات کی تخلیق میں اربوں سال صرف ہوئے اور یہ بات بائبل کے اس تصور کے منافی ہے جس میں کہا گیا ہے کائنات صرف چھ دنوں میں پیدا کی گئی جبکہ ہر دن چوبیس گھنٹے کا تھا۔

بائبل اور سورج کی تخلیق:

بائبل کی کتاب "پیدائش" میں کہا گیا ہے کہ روشنی، دن اور رات کو اللہ نے کائنات کی تخلیق کے پہلے روز پیدا کیا، چنانچہ اس میں لکھا ہے:

"اللہ نے ابتداء میں زمین اور آسمان کو پیدا کیا، اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔ اور خدا نے کہا کہ روشنی ہو جا اور روشنی ہو گئی۔ اور خدا نے دیکھا کہ روشنی اچھی ہے اور خدا نے روشنی کو تاریکی سے جدا کیا۔ اور خدا نے روشنی کو تو دن کہا اور تاریکی کو رات، اور شام ہوئی اور صبح ہوئی، سو پہلا دن ہوا۔"

(کتاب مقدس، پیدائش: 1 /3-5

جدید سائنس کے مطابق کائنات میں گردش کرتی ہوئی روشنی در حقیقت ستاروں میں ایک پیچیدہ عمل کا نتیجہ ہے جبکہ بائبل کے مطابق سورج، چاند اور ستارے چوتھے روز پیدا کیے گئے، کتاب "پیدائش" میں لکھا ہے:

"سو اللہ نے دو بڑے نیر بنائے، ایک نیر اکبر کہ دن پر حکم کرے اور ایک نیر اصغر کہ رات پر حکم کرے اور اس نے ستاروں کو بھی بنایا۔ اور کدا نے ان کو فلک پر رکھا کہ زمین پر روشنی ڈالیں، دن اور رات پر حکم کریں اور اجالے کو اندھیرے سے جدا کریں، اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے، اور شام ہوئی اور صبح ہوئی، سو چوتھا دن ہوا۔"
(کتاب مقدس، پیدائش:1/16-19)

یہ بات خلاف منطق ہے کہ روشنی کا منبع نیر اکبر) سورج) تو تین دن بعد پیدا کیا گیا لیکن سلسلہء روز و شب جو سورج کی روشنی کا نتیجہ ہے پہلے دن ہی پیدا کر دیا گیا۔ مزید براں ایک دن کے عناصر، یعنی صبح و شام کے وجود کا ادراک تو سورج کے سامنے زمین کی گردش محوری کے بعد ہی ہو سکتا ہے مگر بائبل کے مطابق صبح اور شام کی تخلیق سورج کی تخلیق سے تین دن پہلے ہی عمل میں آ گئی۔

اس کے برعکس قرآن مجید میں اس موضوع پر تخلیق کائنات کی کوئی غیر سائنسی ترتیب زمانی نہیں دی گئی، لہذا یہ کہنا سراسر غلط اور مضحکہ خیز ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) نے تخلیق کائنات کے موضوع پر بائبل کے اقتباسات تو نقل کر لیئے مگر بائبل کے خلاف منطق اور عجیب و غیرب باتیں چھوڑ دیں۔

سورج روشنی خارج کرتا ہے چاند نہیں:

بائبل کے مطابق سورج اور چاند دونوں روشنی خارج کرتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب پیدائش میں انہیں بالترتیب "نیر اکبر" اور نیر اصغر" قرار دیا گیا ہے لیکن جدید سائنس کے مطابق چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں اور وہ محض شمسی روشنی کو منعکس کرتا ہے۔ اس سے قرآن مجید کے اس نظریئے کی تائید ہوتی ہے کہ چاند "منیر" یعنی روشنی کو منعکس کرنے والا ہے اور اس

سے آنے والی روشنی منعکس شدہ ہے، اب یہ سوچنا دُور از کار بات ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بائبل کی ان سائنسی غلطیوں کی اصلاح کی اور پھر ایسی اصلاح شدہ عبارات قرآن میں شامل کر لیں۔

تخلیق نباتات اور سورج:

بائبل کی کتاب "پیدائش" باب اول، فقرہ: 11تا13 کے مطابق نباتات، گھاس، بیج دار پودوں اور پھل دار درختوں کو تیسرے روز پیدا کیا گیا جبکہ اسی باب کے فقرہ: 14تا19 کے مطابق سورج کی تخلیق چوتھے روز عمل میں آئی، سائنسی اعتبار سے یہ کیسے ممکن ہے کہ نباتات سورج کی حرارت کے بغیر ہی وجود میں آجائیں؟ جیسا کہ بائبل میں بیان کیا گیا ہے۔

اگر غیر مسلم معترضین کے بقول نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (نعوذ باللہ) فی الواقع قرآن کے مصنف تھے اور انہوں نے بائبل کے مواد سے کچھ نقل کیا تو آخر یہ کیسے ممکن ہوا کہ انہوں نے بائبل میں شامل وہ بیانات چھوڑ دیئے جو سائنسی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتے اور قرآن میں ایسا کوئی بیان نہیں ملتا جو سائنسی حقائق کے خلاف ہو؟

تخلیقِ آدم اور بائبل:

بائبل میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے حضرت ابراہیم) علیہ السلام) اور کرہ ارض پر پہلے انسان، یعنی حضرت آدم) علیہ السلام) تک بیان کردہ سلسلہ نسب کے مطابق حضرت آدام) علیہ السلام) کے درمیان تقریباً 1948 برس کا بُعد ہے اور ابراہیم) علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ) علیہ السلام) کے درمیان تقریباً 1800 برس کا فاصلہ ہے جبکہ حضرت عیسیٰ) علیہ السلام) سے آج تک 2000 برس گزر چکے ہیں۔ رائج الوقت یہودی کیلنڈر بھی تقریباً 5800 سال پرانا ہے جو کہ تخلیق کائنات سے شروع ہوتا ہے۔

آثار قدیمہ اور بشریات () کے مآخذ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر قدم رکھنے والا پہلا انسان آج سے دسیوں ہزار سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ قرآن نے بھی آدم) علیہ السلام) کا ذکر زمین سے پہلے انسان کے طور پر کیا ہے لیکن بائبل کے برعکس اس نے نہ تو ان کی کوئی تاریخ بیان کی ہے اور نہ یہ

بتایا کہ وہ زمین پر کتنا عرصہ رہے، ادھر بائبل نے اس کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ سائنسی حقائق کے بالکل برعکس ہے۔

طوفانِ نوح اور بائبل:

بائبل کی کتاب پیدائش کے ابواب :6، 7 اور 8 سے ظاہر ہوتا ہے کہ طوفان نوح عالم گیر طوفان تھا جس نے روئے زمین پر ہر زندہ چیز کو تباہ کر دیا سوائے ان کے جو نوح)علیہ السلام(کے ہمراہ کشتی میں سوار تھے۔

"کیا انسان، کیا حیوان، کیا رینگنے والا جاندار، کیا ہوا کیا پرندہ یہ سب کے سب زمین پر مر مٹے، فقط ایک نوح باقی بچا یا وہ جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے۔"

)کتاب پیدائش: 7/23

بائبل کے بیان سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ یہ واقعہ آدم)علیہ السلام(کی پیدائش کے 1656 سال بعد یا ابراہیم)علیہ السلام(کی پیدائش سے 292 برس قبل اس وقت پیش آیا جب نوح)علیہ السلام(کی عمر 600 برس ہو چکی تھی، گویا یہ طوفان 21 ویں یا 22 ویں صدی قبل مسیح میں آیا ہو گا۔

بائبل میں طوفان کی جو کہانی بیان کی گئی ہے۔ وہ آثار قدیمہ کے مآخذ سے ملنے والی سائنسی شہادتوں سے متضاد ہے جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مذکورہ صدیوں میں مصر کے گیارھویں حکمران خاندان اور بابل کے تیسرے خانوادے کی سلطنتیں کسی تہذیبی بحران کے بغیر مسلسل قائم تھیں اور کسی بڑے طوفان سے متاءثر نہیں ہوئی تھیں جو اکیسویں بائیسویں صدی قبل مسیح میں آیا ہو۔ یہ بات بائبل کے اس قصے کی تردید کرتی ہے کہ طوفان کے پانیوں میں ساری دنیا ڈوب گئی تھی اس کے برعکس قرآن مجید میں نوح)علیہ السلام(کے بارے میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ کسی سائنسی شہادت یا آثار قدیمہ کے کوائف سے متصادم نہیں۔ اول تو قرآن اس واقعے کی کسی متعین تاریخ یا سال کی نشاندہی ہی نہیں کرتا۔ دوم، قرآن کے

مطابق بظاہر یہ سیلاب ایک عالمگیر واقعہ نہیں تھا جس سے زمین پر موجود زندگی کو مکمل طور پر تباہ کر دیا ہو۔

لہذا یہ فرض کرنا غیر منطقی بات ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے طوفان نوح کا قصہ بائبل سے مستعار لیا اور اس کا ذکر قرآن میں کرنے سے پہلے غلطیوں کی تصحیح کر دی۔

موسی)علیہ السلام)اور فرعون :

قرآن کریم اور بائبل میں حضرت موسیٰ)علیہ السلام)اور فرعون) جس کے دور میں یہود کا مصر سے خروج عمل میں آیا) کے جو قصے بیان کیے گئے ہیں، وہ ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ دونوں الہامی کتب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ فرعون نے جب موسیٰ)علیہ السلام) کا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو وہ اس کھاڑی کو عبور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ڈوب گیا جسے موسی)علیہ السلام)اسرائیلیوں کے ہمراہ پار کر گئے تھے۔ قرآن کریم کی سورۃ یونس میں ایک مزید خبر دی گئی ہے :

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ (۹۲)

"آج ہم تیرا جسم بچا کر) سمندر سے) باہر نکال پھینکیں گے تا کہ وہ اپنے بعد والوں کے لیے نشان)عبرت)ہو، اور بے شک بہت لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔"

)سورۃ یونس 10 آیت 92)

ڈاکٹر موریس بکائے نے مکمل تحقیقات کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ اگرچہ فرعون رعمسیس ثانی اس بات کے لیئے معروف ہے کہ اس نے بائبل کے بیان کے مطابق اسرائیلیوں پر ظلم ڈھائے لیکن فی الحقیقت وہ اس وقت ہلاک ہو گیا تھا جب موسیٰ)علیہ السلام)مدین میں پناہ لیئے ہوئے تھے۔ رعمسیس ثانی کا بیٹا منفتاح اس کا جانشین ہوا اور وہی یہود کے مصر سے خروج کے دوران میں بحیرہ قلزم کی کھاڑی میں ڈوب کر مر گیا۔ 1898ء میں مصر کی وادئ ملوک میں منفتاح کی مومیائی ہوئی لاشیں پائی گئی۔ 1975ء میں ڈاکٹر موریس بکائے

نے دوسرے فضلاء کے ساتھ مل کر منفتاح کی مومیا کا معاینہ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ اس کے معاینے سے انہوں نے جو نتائج اخذ کیے۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ منفتاح غالباً ڈوبنے سے یا اس شدید صدمے کی وجہ جو ڈوبنے سے عین پہلے اسے پیش آیا، ہلاک ہوا، لہذا قرآنی آیت کی صداقت کہ "ہم اس کی لاش کو عبرت کے طور پر محفوظ رکھیں گے۔" فرعون کی لاش ملنے سے ظاہر ہو گئی جو اب مصری عجائب گھر)متحف مصری(واقع قاہرہ میں پڑی ہے۔

اس آیت قرآنی نے ڈاکٹر موریس بکائے کو، جو اس وقت تک عیسائی تھا، مطالعہ قرآن پر مجبور کر دیا۔ بعد میں اس نے "بائبل، قرآن اور سائنس" کے عنوان سے کتاب لکھی اور اس بات کا اعتراض کیا کہ قرآن کا مصنف اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا، ڈاکٹر بکائے نے آخر کار اسلام قبول کر لیا۔

قرآن اللہ کی کتاب ہے:

یہ شواہد اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ قرآن مجید، بائبل سے نقل نہیں کیا گیا بلکہ قرآن تو فرقان ہے، یعنی وہ کسوٹی جس کے ذریعے سے حق اور باطل میں امتیاز کیا جا سکتا ہے اور اس سے استفادہ کر کے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ بائبل کا کون سا حصہ کلامِ الہی تصور کیا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید خود اس کی شہادت دیتا ہے۔ سورۃ السجدہ میں ارشاد باری تعالی ہے:

الم (١) تَنزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (٢) أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ (٣)

"الم۔ بے شک اس کتاب کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ نبی نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟) نہیں!) بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ ہدایت پائیں۔

(سورۃ السجدہ 32 آیات 1 تا 3)